سلسلۂ تصنیفات مسلم بک سوسائٹی نمبر ۱۵

مطالعۂ اسلام

جسمیں

پانچ ارکانِ اسلام

یعنی

(۱) ایمان (کلمۂ طیبہ) (۲) نماز (۳) روزہ (۴) حج (۵) زکوٰۃ

پر فلسفیانہ بحث کیگئی ہے اور آخر میں اسلام کو امن و سلامتی کا مذہب ثابت کیا ہے

مصنفۂ

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی بانی مسلم مشن ووکنگ انگلستان

جس کو

مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور نے

کریمی پریس لاہور میں امیر بخش صاحب مینیجر کے اہتمام سے چھپوا کر جنوری ۱۹۲۲ء میں شائع کیا

بلادِ غربیہ میں اسلام کا مشعل بردار

اسلامک ریویو مجریہ ووکنگ (انگلستان) قیمت سالانہ ۸ عہ

اِس کا اُردو ترجمہ

اشاعت اسلام

قیمت سالانہ ۸

ایڈیٹر حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری

مسلم پبلک میں اسلامک ریویو کسی معرف کرانے کا محتاج نہیں ہم صرف برادران اسلام کو یہ اطلاع دینا چاہتے ہیں کہ اس وقت اسی کے منافع پر انگلستان میں اسلامی مشن کے اخراجات بہت حد تک چل رہے ہیں۔ اس کا ہر ایک خریدار اب گویا بلاد غربیہ میں اسلام کا خود متکفل ہو جاتا ہے۔ اگر برادران ملت کوشش کر کے انگریزی سالہ کے پانچہزار اور اردو کے دس ہزار خریدار پیدا کر دیں تو ان کا منافع ہمارے ووکنگ اسلامی مشن کا کفیل ہو سکتا ہے ہم چاہتے ہیں کہ انگریزی سالہ کئی ہزار تک بلاد غربیہ میں مفت تقسیم ہو۔ اگر کوئی تبلیغ اسلام کا شیدائی ہمیں پانچ روپے سالانہ بھیجدے تو ہم ان کی جگہ ایک انگریزی سالہ یورپ میں مفت تقسیم کر دینگے

کیا ملت بیضا کی اشاعت کے عاشق چند ہزار بھی ہندوستان میں نہیں؟

دوستو اٹھو! جاگو! اوقت کو غنیمت سمجھو!! اسلامک ریویو ہی ایک کامیاب ذریعہ اشاعت اسلام کا ثابت ہوا ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ اس نے اپنی عزت کو یورپ میں نہایت آب و تاب سے قائم کیا ہے اسکو مضبوط کرنے کی کوشش کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے اجر جزیل پاؤ گے۔ والسلام

المشتہر خواجہ عبدالغنی منیجر رسالہ اسلامک ریویو و اشاعت اسلام عزیز منزل لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام

مُطالعۂ اسلام

ایمان

اٰمنت باللہ وملٓئکتہٖ وکتبہٖ ورُسلہٖ والیوم الاٰخر والقدر خیرہٖ وشرہٖ من اللہ تعالیٰ والبعث بعد الموت۔ **ترجمہ**۔ میں اللہ پر اس کے فرشتوں پر۔ اُس کی کتابوں پر۔ اسکے رسولوں پر۔ یومِ آخرت پر ایمان لاتا ہوں۔ اور اسبات پر بھی ایمان لاتا ہوں کہ اشیاء کی نیکی و بدی کے اندازے اللہ تعالےٰ ہی کے مقرر کردہ ہیں

اور یہ کہ موت کے بعد پھر جی اُٹھنا ہے +
یہ ساتوں اصول اسلام ہی **صفت ایمان** کہلاتے ہیں - اور ان میں سے کسی ایک کا انکار دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے - ان میں ایک بات قابل غور یہ ہے - کہ ان اصولوں میں کوئی بھی عیسائیت کے منقولی اصولوں کا ہم رنگ نہیں ہے - برعکس اس کے یہ ان صداقتوں کا مجموعہ ہیں - جو حیات مسلم میں ایک رُوح پیدا کر دیتے ہیں - جس کی قوّت سے وہ ان پاکیزہ اصولوں کو عمل میں لے آتا ہے - "اٰمَنْتُ" جسکے معنی ہیں ایمان لاتا ہوں کئے جاتے ہیں لفظ ایمان سے مشتق ہے - جس کے معنی صرف زبان سے مان لینا ہی نہیں - بلکہ ساتھ ہی عمل سے بھی اُسے اقرار کرنا ہے - ہاں لفظ اسلام کے معنی ہیں کسی چیز کی صداقت کو مان لینا مگر جب اس صداقت پر عمل بھی شروع ہو جائے تو یہ ایمان بن جاتا ہے - پس محولہ بالا عربی عبارت کا منشاء یہ ہے - کہ ایک مسلم کی تمام زندگی اور اسکا تمام کاروبار ان ساتوں اصولوں کے ماتحت

مقیّد رہنا چاہئے۔ پیشتر اس کے کہ میں ان اصولوں کی کچھ تشریح کروں میں بتادینا چاہتا ہوں۔ کہ یہ اصول اتنے وسیع اور جامع ہیں۔ کہ انسان کا ہر فعل اور ہر سخن ان کے تحت میں آجاتا ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ خدا تعالٰے پر ایمان رکھتا ہو یا اس کا انکار کرتا ہو۔ ہاں سوسائٹی کا ایک باقاعدہ ممبر ہونے کی حیثیّت سے اپنی ذمہ واریوں کو محسوس کرتا ہو +

نیکی اور بدی کے اندازے

صحیفۂ قدرت کا باقاعدہ مطالعہ اس حقیقت کو واضح کردیتا ہے۔ کہ دنیا میں کوئی چیز فی نفسہٖ خراب نہیں۔ ہاں اس کا مخصوص استعمال مخصوص حالات کے ماتحت اسکو خراب بنا دیتا ہے۔ ایک ہی چیز ہوتی ہے۔ جو ایک خاص انداز و پیمانہ میں رہ کر مفید اور قیمتی ثابت ہوتی ہے۔ مگر وہی چیز کسی اور نامناسب و انداز میں آکر ضرر رساں بن جاتی ہے۔ ایک ہی فعل ہوتا ہے

جو اپنے حالات کے لحاظ سے خیر و برکت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مگر وہی فعل حالات کے تغیر سے خود فاعل اور اسکے دیگر ابنائے جنس کیلئے ہلاکت و تباہی کا موجب بن جاتا ہے۔ یہ وہ عالمگیر اصول ہے جس کا تسلط کارخانہ قدرت کے ہر ذرّہ پر محیط ہے۔ مثال کے طور پر ہم افیون کو لیتے ہیں۔ بعض حالات میں افیون کا استعمال سخت درد اور عذاب میں مبتلا مریض کو اچھا کر دیتا ہے۔ لیکن ضرورت کے بغیر اعتدال سے بڑھ کر اسکو استعمال کرنا فرشتۂ اجل کو خود مدعو کرنا ہے۔ یہی اصول تمام چیزوں کے ارتقاء میں کام کرتا نظر آتا ہے۔ ایک ہی چیز کے مختلف پہلو اور شکلیں نتائج میں اختلاف پیدا کر دیتی ہیں۔ اور یہ اختلاف تناسب اور انداز کے تغیر سے پیدا ہوتا ہے۔ ہائیڈروجن کے دو اجزا جب آکسیجن کے ایک جزو سے ملتے ہیں تو پانی بن جاتا ہے۔ انہی دو چیزوں کی ترکیب جب کسی اور تناسب و انداز میں

واقع ہوتی ہے۔ تو کوئی اور ٹھوس چیز بن جاتی ہے +

یہ قانون صرف مادّیات ہی میں موجود نہیں بلکہ اس کے زیرِ اثر اخلاقیات اور رُوحانیات بھی ہیں۔ القرآن دُنیا میں پہلی کتاب ہے جس نے اس عالمگیر اُصول کے اسرارِ نہانی کو انسانوں پر آشکار کیا۔ اس نے بتایا کہ مادی اشیا کی ترقی کی علت غائی مادّہ کی اجزائے ترکیب کا قدر و اندازہ میں مختلف ہونا ہے۔ اگر آپ نے علم موسیقی سیکھنا ہے تو آپ کو آواز کے مختلف اندازوں اور اصوات مختلفہ کی حقیقت پر غور کرنا ہوگا۔ اسی طرح انسان کی قوّتِ تکلّم کا حال ہے۔ اور اسی قانون کے ماتحت انسان کے اچھّے یا بُرے افعال ہیں شریعت جو اصطلاح اسلام میں "احکام خداوند" کے مترادف ہے۔ ان اخلاقی قوانین کا مجموعہ ہے جو انہیں اندازوں اور حدود بندیوں کی تشریح کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن کریم میں شریعت کے احکام و قوانین حدود اللہ کہا گیا ہے +

ایمانیات

اسلام کی تعلیم کے رُو سے وہ ہستی جو ان حدود اور اندازوں کو مقرر کرتی ہے خود اللہ تعالےٰ ہے جو خالق اکبر ہونے کی حیثیت سے جانتا ہے کہ ہر چیز کی خلقت کی علّت غائی کیا ہے - وہی معبود تمام قوانین کا حقیقی سرچشمہ ہوسکتا ہے - اور ان قوانین پر عملدرآمد سے جو جو نتائج پیدا ہوتے ہیں - وہ اللہ تعالیٰ کے چند فرمانبرداروں کے توسط سے ظہور پذیر ہوتے ہیں - اور انہیں فرمانبرداروں کو اصطلاح اسلامی میں ملائکہ کہتے ہیں - پس ہمارا فرشتوں پر ایمان ذات باری پر ایمان لانے کا ایک نتیجہ ہے - اسی مسئلہ کو اگر عملی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں - کہ اگر خداوند قدوس سرچشمۂ قوانین ہے - تو ملائکہ اُن قوانین کے کارندے ہیں - جن کی وساطت سے منشائے الٰہی انسانوں پر ظاہر ہوتا رہتا ہے - ایک مسلمان کا ایمان ہے - کہ انسان پر شریعت کا بذریعہ الہام ظاہر ہونا کسی خاص وقت یا قوم تک محدود نہیں ہوا

بلکہ ابتدائے آفرینش ہی سے اس کا ظہور ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اور وہ مرقع یا شیرازہ جنہیں الہامات الٰہی محفوظ رکھے جاتے ہیں کتاب اللہ کہلاتی ہیں مسلمان خدائے سچوں سے تعلقات عبودیت قائم کرنے کے بعد اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی اطاعت بھی اپنا فرض جانتے ہیں۔ ان لوگوں کے متعلق جو اللہ تعالےٰ کے لئے احکام اس کے اطاعت کیش بندوں تک پہنچاتے ہیں ہمارا ایمان یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نہایت ہی برگزیدہ انسانوں میں سے سمجھے جاتے ہیں۔ اور ان پر ملائکہ کا ورود ہوتا رہتا ہے۔ اور وہ ان کے ذریعے سرچشمۂ الہام سے سیراب رہتے ہیں۔ لیکن یہ بات بھی ساتھ ہی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ انبیاء اپنے الہاموں پر خود عمل پیرا ہو کر ان کی صداقت پر مہر لگا دیتے ہیں۔ ان کی زندگی گویا ان کی تعلیم کی تشریح ہوتی ہے۔ وہ اپنے الہاموں کو ایک کتاب کی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ مگر جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے الہام الٰہی ایک ایسی نعمت ہے جو کسی خاص قوم۔ گروہ یا

زمانہ تک محدود نہیں بلکہ اسمیں ایک ایسا رنگ عمومیت ہے۔ کہ اس کے فیض سے کوئی قوم محروم نہیں رہی۔ جوں ہی انسانی ہاتھوں نے آئین سابقہ کو محرّف و مُبدّل کر دیا۔ ایک نئے نظام اخلاق کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ نیا نظام اخلاق سابقہ قوانین ہی کا مجموعہ ہوتا ہے صرف ضروریات زمانہ کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے چند ایک تبدیلیاں کر دی جاتی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد ہم فرشتوں کو ماننے۔ الہام الٰہی کو ماننے اور لاتعداد انبیا کو ماننے پر مجبور رہیں۔ اور ہم ان رسولوں کو ماننے میں رائی بھر تفریق نہیں کرتے۔ گویا ہمارا ان چار اصولوں کو مان لینا حقیقت میں ان سرمدی صداقتوں کو مان لینا ہے۔ جو قوانین قدرت میں رو پوش رہتی ہیں۔ مذکورہ بالا بیان کی تصدیق آیہ ذیل سے بخوبی ہو جاتی ہے

قولوا امنّا باللّٰہ وما اُنزل الینا وما انزل الیٰ ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون

من ربّهم لا نفرّق بين احدٍ منهم ونحن له مسلمون۝
ترجمہ (اے مسلمانو! دُنیا میں اِس حقیقت کا) اعلان کردو کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے ہیں۔ اور ان چیزوں پر ایمان لائے ہیں۔ جو ہماری طرف (بذریعہ محمد الرسول اللہ صلعم) اتاری گئی ہیں۔ اور ان چیزوں پر ایمان لائے ہیں۔ جو ابراہیم۔ اسمٰعیل۔ اسحٰق اور یعقوب اور آلِ یعقوب کی طرف نازل ہوئیں۔ اور جو موسےٰ اور عیسیٰ کو دی گئیں۔ ان پر اور جو دیگر انبیاء کو عطا کی گئیں۔ ان پر ایمان لاتے ہیں۔ اور ان تمام انبیاء پر (ایسا پختہ اور یکساں) ایمان لاتے ہیں۔ کہ (ذرہ بھر) تفریق نہیں کرتے (اور تفریق کریں بھی کیوں جب اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہی یہ ہے۔ کہ ان پر یکساں ایمان رکھیں۔ کیونکہ ہم تو صرف رضائے الٰہی کے جویا ہیں"
پس ان صداقتوں کی روشنی میں ہمارے افعال نیکی یا بدی کا رنگ اختیار کرتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ ہمارے تمام موجودہ مشاغل اور مساعی کو ان نتائج کے

خیال سے تحریک پیدا ہوتی ہے۔ جو مستقبل میں رونپذیر ہونگے۔ جو ہم نے دماغ میں تصور کر رکھے ہوتے ہیں۔ اگر ہمارا مطمح نظر مستقبل نہیں۔ بلکہ زمانہ حاضرہ تک ہی ہماری نگاہ محدود رہے۔ تو پھر کوئی طاقت نیکی کی طرف ہمیں مائل نہ کرے۔ اور بدی سے رُکنا محال ہو جائے۔ نہیں نہیں بلکہ یوں سمجھنا چاہئے۔ کہ افعال کا خیر و شر صرف اُن کے نتائج ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ پس مستقبل حاضر پر حکمرانی کرتا ہے۔ اگر میں کسی آئندہ زمانہ میں ایمان نہیں رکھتا تو جب تک میں اپنے افعال کے حسن و قبح کو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ رکھ سکتا ہوں۔ تب تک میرے لئے کوئی چیز نیکی کی محرک نہیں۔ اور نہ ہی مجھے بدی سے روکنے والی کوئی طاقت ہو سکتی ہے۔ مگر جوں ہی میرے دماغ میں یہ عقیدہ ذہن نشین ہو گیا کہ میرے تمام موجودہ افعال میرے مستقبل کو متؤثر کرنیوالے ہیں۔ تو آئندہ کا خطرہ اور امیدو وابستی

طاقتیں ہیں۔ جو میری تمام جد و جہد پر قابض رہینگی۔ خواہ میری موجودہ تگ و دو زمانۂ آیندہ کی ایک قلیل میعاد کو متاثر کرے۔ یا میری تمام زندگی پر اس کا اثر پڑے میرے دماغ میں اس حقیقت کا کھل جانا ہی ایک ایسی طاقت ہے جو مجھے نیکی کی طرف مائل کرتی رہیگی۔ ہمارا دنیاوی تمدن قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر افراد اپنے افعال کے نیک و بد نتائج کے ذمہ وار نہ بنائے جائیں۔ تو انہیں کی فرمانبرداری کی جزا اور نافرمانی کی سزا ہی دو ایسی قوتیں ہیں جن کے سہارے ہماری سوسائٹی کی تمام کل چل رہی ہے۔ لہٰذا ایک مسلم کا یوم آخرۃ پر ایمان حقیقت میں مذکورہ بالا چار اصولوں کو قبول کر لینے کا ایک منطقی نتیجہ ہے۔ یعنی سرچشمۂ قوانین اللہ تعالیٰ کو ماننا۔ قانونی کارندے یعنی ملائکہ پر ایمان لانا۔ قانون کی اجتماعی شکل یعنی سنت اللہ پر ایمان لانا اور انبیاء پر ایمان لانا جو احکام شریعت لوگوں تک پہنچاتے ہیں ✝

دوسرا اہم سوال ہمارے پیش نظر یہ
ہے۔ کہ خدائی قانون کی نوعیّت کیا ہے۔
جیسا کہ میں اُوپر بیان کر آیا ہوں نیکی اور
بدی ان اندازوں اور پیمانوں کا نام ہے۔ جن میں
ایک فعل یا خیال کوئی صورت و شکل اختیار کرتا
ہے۔ وہ قانون جو ان اندازوں پر حکمران ہے۔ ایک
غیر متبدل اٹل قانون ہے۔ جو ایک فوق الانسان
طاقت کا بنایا ہوا .... سرمدیت میں
لپٹا پڑا ہے۔ قوانین الٰہی کی یہ خصوصیت
آسانی سے خراج اطاعت وصول کر رہی
ہے۔ کیونکہ یہ قوانین ایسے اندازہ سے
ترتیب دیئے گئے ہیں۔ کہ ان کا شمار و
اعداد بلحاظ صحّت و صفائی اپنا ہمسر نہیں
رکھتا۔ ان قوانین کی غیر تغیّر پذیری سرعت
اور صحت پر جسقدر ہمارا ایمان ہو گا۔
اسی قدر زیادہ ہم اُن کی اطاعت کرینگے۔
زہر کی ایک خاص مقدار کے متعلق یہ علم کہ
انسانی زندگی کو تلف کرنے کے لئے یہ کافی
ہو گی۔ ہمیں اس کے استعمال سے روک دیتا

ہے - ایک مسلم اللہ تعالےٰ کو مقنن اول تسلیم کرتا ہے اور ایمان ہے - کہ چیزوں کے مختلف اندازوں جن پر ان کا خیر و شر منحصر رہتا ہے اللہ تعالیٰ ہی کے مقرر کردہ ہیں - مذہب حقیقت میں انسان کو ان اندازوں اور پیمانوں کو بتانے آیا جن سے انسان کی نیکی اور بدی وابستہ رہتی ہے جاہل لوگوں نے اس راز کو نہیں سمجھا اور انہوں نے نادانی سے ایک غلط مسئلہ تقدیر تعلیمات اسلامی کی طرف منسوب کر دیا ہے - حالانکہ اگر غور کیجائے تو مذکورہ بالا مسئلہ ایک زبردست حقیقت ہے - جس میں ترقی کے تمام عناصر موجود ہیں - ہاں دیکھنے کے لیئے ذرا چشم باطن وا رہنی چاہیئے - پس یہ عقیدہ مسلمانوں کے بنیادی اصولوں میں چھٹا اصول ہے +

ہم مسلمان لوگ یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں - اور یقین کرتے ہیں - کہ ہر ایک انسان اپنے بولے ہوئے الفاظ اور کیئے ہوئے کاموں کا ذمہ دار ٹھیرایا جائیگا - اخلاقی ذمہ داری اور نظام تمدن کے برقرار رکھنے کیلئے

ایسا عقیدہ نہایت ہی لازمی ہے۔ اگر ہمیں یقین ہو جائے کہ ہماری تمام کارگزاریاں اور ان کے نتائج ہماری زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ تو ہمارے تمام سفلی جذبات ایسے مشتعل ہو کر بدی کی طرف مائل ہوں گے۔ کہ جب تک سوسائٹی کی نکتہ چینی اور طعن و تشنیع سے محفوظ رہنے کیلئے کافی ذرائع ہمارے پاس موجود رہینگے۔ تب تک بدترین اخلاقی جرائم کا ارتکاب ہمارے لئے وجہ مسرت بنا رہیگا۔ لیکن اگر ہم یقین کرتے ہیں۔ کہ ایک روز خدائے قدوس کے دربار میں اپنے افعال کی جوابدہی کے لئے ہمیں حاضر ہونا ہے۔ اور وہاں نیکی و بدی کی جزاو سزا مترتب ہوتی ہے۔ تو جتنا یہ عقیدہ پختہ ہوگا۔ اور ہمارے موجودہ افعال پر اثر ڈالیگا اتنا ہی ہمارا مستقبل شاندار ہوگا۔ یہ بنیاد اسلام کا ساتواں ستون ہے۔ اب میں ان ساتوں اصولوں کا اعادہ کرتا ہوں:۔

امنت باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر

والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالے والبعث بعد الموت +

ترجمہ۔ میں اللہ تعالیٰ پر جو سرچشمۂ قوانین ہے ایمان لاتا ہوں۔ اور میں فرشتوں پر ایمان لاتا ہوں جو اللہ تعالے کا پیغام رسولوں تک پہنچانے میں ایجنٹ کا کام ہیں۔ میں اسکی کتب مقدسہ کو مانتا ہوں جو حامل شریعت ہیں۔ میں اس کے انبیاء پر ایمان لاتا ہوں جن پر رموز شریعت آشکار ہوئے۔ میں یوم آخرت پر ایمان لاتا ہوں۔ اور میں اس بات پر ایمان لاتا ہوں۔ کہ نیکی اور بدی کے انداز ے اللہ تعالیٰ ہی کے مقرر کردہ ہیں۔ میں بعثت بعد الموت پر ایمان لاتا ہوں۔ جبکہ مجھے اپنے افعال کی جوابدہی کرنی ہوگی" +

تم سب مسلم ہو

اگر آپ کسی ایسے مذہب کے پیرو ہیں۔ جو خداوند تعالےٰ کو حیّ و قیّوم مانتا ہے۔ اسکی شریعت اپنے متبعین کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور اسی کے پیغام لوگوں تک پہنچاتا ہے جو ہمارے لئے مشعل ہدایت بنتے رہیں۔ اور

ہماری زندگی کو ایک غیر متناہی زندگی بیان کرتا ہے۔ اگرچہ اس تن خاکی کو فانی تسلیم کرتا ہے۔ تو خدا کیلئے بتاؤ کہ تمہارے عقائد اسلامی عقائد نہیں تو اور کیا ہیں؟ تمہیں کیا حق ہے۔ کہ اپنے ہادیان مذہب کو تو فرستادہ الٰہی مانو اور دوسروں کو گم کردہ رہ جانو۔ آپ کو اور آپ کے اجداد اللہ تعالےٰ سے کوئی خاص قرابت نہیں۔ اللہ سب کا خدا اور مالک ہے اگر اس نے آپ کے پاس ایک رسول بھیجا تو مجھے کس گناہ کی پاداش میں اس نعمت سے محروم رکھا؟ مزید براں یہ کہ جب کتب سابقہ میں تحریف ہوگئی۔ اور اصلی تعلیم کو انسانی آمیزش نے تبدیل کر دیا۔ اور یہ واقع بلاشبہ تمام کتب مقدسہ سے ہو چکا ہے۔ تو اس رحیم کریم خدا نے خاتم الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کو القرآن دیکر مبعوث فرمایا۔ جو شخص انبیاء پر ایمان رکھتا ہے۔ اسکو لازماً قرآن کریم اور محمد الرسول اللہ پر ایمان لانا ہوگا۔ اگر تمہارا ایمان ہے کہ تمہارے پاس تمہارا نبی

پیغامِ الٰہی لے کر آیا۔ اور اس کو اپنے بعد اپنے اقوال اور افعال کی صورت میں اپنے متبعین کے پاس چھوڑ گیا۔ تو اب اگر آپ کے پاس اُس کے افعال اور اقوال کی کوئی مستند تحریر نہیں تو کیا خداوند تعالےٰ اس حالت میں آپ کی رہنمائی نہیں کریگا۔ اور آپ کو تاریکی اور ظلمت میں بھٹکتا رہنے دیگا؟ اور اگر ہدایت سابقہ اسی کی طرف سے تھی تو مزید ہدایت بھی وہیں سے آنی چاہئے۔ محمّد الرّسُول اللہ کی زندگی اور قرآن کریم کے سوا کسی اور نبی کی زندگی یا کتاب اب تک پُوری صحّت اور صفائی کے ساتھ محفوظ نہیں۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ یا تو انکو قبول کریں۔ یا انکار کریں۔ مگر مؤخر الذکر صورت میں آپ کو اپنے مذہب سے بھی دست بردار ہونا پڑیگا۔

اب مجھے ان لوگوں سے بھی ایک سوال کرنا ہے۔ جو اپنے آپ کو کسی مذہب کا پیرو نہیں گردانتے۔ کیا وہ مذکورہ بالا ساتوں اصولوں

میں سے کسی ایک کا بھی اِنکار کر سکتے ہیں؟
اگر وہ کسی سوسائٹی کے ممبر اور فطرتاً ضابطہ
و آئین کے مطیع ہیں۔ تو وہ سوسائٹی کے
قواعد و قوانین کا انکار نہیں کر سکتے۔ خواہ میں
موسیٰ علیہ السّلام کے عہدِ عتیق کی فرمانبرداری
کرتے ہوئے جھوٹ بولنے اور دوسروں کا
مال چُرانے سے احتراز کرتا ہوں۔ خواہ میں نے
اپنے پڑوسی سے عہد و پیمان کر رکھا ہے۔ کہ
میں ایسا نہیں کروں گا۔ دونوں باتیں
سوسائٹی کے تمدّن کو برقرار رکھنے کے لئے
ضروری سمجھی گئی ہیں۔ دونوں حالتوں میں میں نے
قانون کی پیروی کی ہے۔ اس قانون کا ایک
منبع ہے جو آپ کی رائے میں بادشاہ ہے۔
پھر قانون کے کارندے ہوتے ہیں۔ جو
قانون پر عملدرآمد کراتے ہیں۔ آپ ان کو
پولیس اور عدالت سے موسوم کرتے ہیں۔ ہم
ان کو فرشتے کہتے ہیں۔ آپ بھی ایک ضابطہ
قانون رکھتے ہیں۔ اور ہم بھی ایک ایسا ضابطہ
رکھتے ہیں۔ جسکو ہم قرآن کہتے ہیں۔ یا دیگر کتب

مقدسہ سے موسُوم کرتے ہیں - بادشاہ کی مرضی کی اطلاع پہلے چند چیدہ نفوس کو ہوتی ہے - جن کو آپ اپنی اصطلاح میں وزرا کہتے ہیں - مگر ہم انہیں انبیاء کے نام سے موسُوم کرتے ہیں - قانون کی فرمانبرداری کی جزا اور قانون شکنی کی سزا دونوں لازمی ہیں - ورنہ قانون ایک مہمل اور لغو الفاظ کا مجمُوعہ رہجاتا ہے - پس اس ضرورت نے ہمیں روز جزا اور حیات ثانیہ میں ایمان لانا سکھلایا جو مذہب اسلام کے ضروری ارکان میں سے ہے - اب قانون کی نوعیّت پر غور کر لو - قانون ہمارے افعال پر چند قیُود عائد کرتا ہے بعض افعال کے کرنے کی اجازت دیتا ہے - اور بعض سے روک دیتا ہے - اوّل الذکر کو یہ اچھا قرار دیتا ہے - اور مؤخّر الذکر کو مذمُوم - مگر یہ تمام قیُود قانون کے سرچشمہ یعنے بادشاہ کی قائم کردہ ہوتی ہیں - پس اسلام کا چھٹا رُکن ایمان یہ ہے - کہ چیزوں کے اچھے اور بُرے اندازے اللہ تعالیٰ

ہی کے مقرر کردہ ہوتے ہیں - آپ بیشک کسی مذہب کی پیروی نہ کریں - مگر آپ کو لازماً ان ساتوں اصولوں پر کاربند ہونا پڑیگا - اگر آپ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں اور اسبات پر ایمان لے آئیں کہ وہ دُنیا کی ہدایت کیلئے شریعت بھیجتا ہے تو پھر آپ مسلم ہیں - یہ ہے اصلی مذہب علاوہ ازیں سب ڈھکوسلا اور افسانہ ہے +

قوانین مذہب

بعض طبائع کو لفظ قانون مغالطہ میں ڈالتا ہے - وہ کہتے ہیں - کہ دنیاوی معاملات میں قانون پر عملدرآمد کیا جاسکتا ہے - مگر مذہبی معاملات میں قانون یا شریعت پر عمل نہیں کیا جاسکتا - زندگی کے ہر شعبہ میں چند ایک حدود ہیں - جن سے ہمیں تجاوز نہیں کرنا - مگر وہ سمجھتے ہیں کہ مذہب میں ایسی حدود بندیاں ایک ملعون وراثت ہے - لیکن حقیقت میں ایسے لوگ مفہوم مذہب سے

نا آشنا ہیں۔ اگر مذہب ہمیں اُخروی زندگی میں جنّت کی خوشخبری سُناتا ہے۔ تو کیا یہ جنّت کسی بے لگام اور خود سر خوشی کا نام ہے؟ کیا ہمیں کسی ایسے دن کا انتظار ہے۔ جبکہ ہماری خواہشات سے تمام قیود اُٹھ جائینگی۔ اب ہمیں ہر قسم کی عیاشی کی اجازت ہوگی۔ ایک بدمست عیّاش بھی اپنی غیر معتدل روش سے آخر اُکتا جاتا ہے۔ عدم اعتدال صرف حدود سے تجاوز کرنے کا نام ہے۔ خوشی اور گلفت ایک ہی قسم کے مُفردات سے مرکب ہیں۔ فرق صرف درجہ اور پیمانہ کا ہے سرور کے معنے ہیں حدود کے اندر رہ کر خوشی منانا۔ علاوہ ازیں اصطلاح مذہب میں لفظ قانون پُر تکلّف آئین بندی سے قدرے جداگانہ مفہوم رکھتا ہے۔ قانون مذاہب حدود بندیوں کو قوائے انسانی کی باقاعدہ تربیت کر کے انہیں تکمیل تک پہنچانے کے مترادف قرار دیتا ہے۔ اگر ہمارا منتارع اُخروی یعنی روحانیت اخلاق ہی کی ایک

ارتقائی شکل ہے۔ تو خود اخلاق بھی ہمارے جذبات اور خواہشات کو معتدل بنانے اور چند حدود میں مقیّد رکھنے کا نام ہے۔ جذبات اور اخلاقیات پر اس طرح قیود کا عائد کرنا اصطلاح مذہب میں قانون اور شریعت کہلاتا ہے۔ قرآن کریم سے تجویز کردہ نام اسلام کے لفظی معنی ہیں قانون کی تابعداری۔ اگر نیچر اور اس کے تمام کارناموں اور مظاہروں کو "عقل کل" اور "غیر محدود طاقت جس سے ہربرٹ سپنسر کے قول کے مطابق تمام کائنات معرض وجود میں آئی ہے کی مرضی کا صحیح آئینہ سمجھا جائے۔ اور اسے کسی مذہب کو اختیار کرنے یا کوئی زندگی کا دستورالعمل تجویز کرنے میں مشیر تصور کیا جائے تو وہ انسانی دل و دماغ کی تربیت کے لئے صرف مذہب اسلام ہی کو تجویز کریگی۔ کیونکہ اسلام کے معنی ہی قانون کی فرمانبرداری ہے۔ صحیفۂ قدرت کا ایک سطحی نظر سے مطالعہ کرنیوالا شخص بھی اسبات کو بخوبی دیکھ سکتا ہے کہ اس عالم کون و مکان میں چند ایک غیر متبدّل اور

اٹل قوانین کام کر رہے ہیں۔ جنکے عناصر کا ہر ذرہ مکمل اطاعت و تابعداری کرتا نظر آتا ہے نہیں نہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے ۔ کہ نیچر کے تمام مفردات مختلفہ کا وجود اوران کا باہمی تعاون جس سے کائنات کا نظام۔ تعدیل اور توازن قائم ہے انہیں قوانین کی تابعداری پر منحصر ہیں۔ ایک ناقابل التفات ذرہ کی عارضی سرکشی تمام نظام عالم کو درہم برہم کر سکتی ہے۔ سورج۔ چاند۔ ستارے۔ دن۔ رات موسم۔ درخت اور سمندر وغیرہ ہر ایک چیز کے لئے قوانین مقرر ہیں۔ جن پر وہ پوری طرح عمل کر رہے ہیں۔ اور تاریخ عالم میں ایک دن ایسا نہیں گذرا جبکہ قدرت کی ان بڑی طاقتوں نے قانون کی خلاف ورزی کی ہو۔ یہ ہیں اسلام کے لفظی معنے اور کتاب مقدس یعنی قرآن کریم اپنی صداقتوں کے ثبوت میں ہمیشہ نیچر کو جو کہ ایک فعل خداوندی ہے بطور شہادت کے پیش کرتا ہے۔ اس معاملہ میں بھی یعنی اسلام کی تشریح کرتے ہوئے قرآن کریم صحیفۂ قدرت کی طرف توجہ مبذول کرتا ہے۔ اور مذہب اسلام اختیار کرنے کی ضرورت واضح کرتا ہے۔ یعنی

بتاتا ہے کہ قوانین الٰہیہ کی فرمانبرداری کیونکر مفید ہے۔ اور ان کی سرکشی اور نافرمانی کس قدر ضرر رساں اور مہلک ہے۔ قرآن کریم کی آیات ذیل قابل غور ہیں :-

ان الدین عند اللہ الاسلام ۔۔۔۔ افغیر دین اللہ یبغون و لہ اسلم من فی السموٰت والارض طوعا و کرھا و الیہ یرجعون ۔۔۔۔ والشمس تجری لمستقر لھا ذالک تقدیر العزیز العلیم ۵ والقمر قدرنٰہ منازل حتٰی عاد کالعرجون القدیم ۔ لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر و لا الیل سابق النھار و کل فی فلک یسبحون ۔۔۔۔ و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ و ھو فی الآخرۃ من الخسرین ☆ **ترجمہ** ۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک صحیح دین اسلام ہی ہے ۔۔۔ کیا یہ نافرمانبردار لوگ اللہ تعالےٰ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں ۔ حالانکہ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے ۔ خوشی یا ناخوشی سے اسی کے مطیع فرمان ہے ۔ اور خود وہ بھی اسی کیطرف

لوٹائے جائینگے ... اور آفتاب ہے کہ اپنے ایک ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے - یہ اندازہ خدا کا باندھا ہوُا ہے جو زبردست اور ہر چیز سے آگاہ ہے - اور چاند ہے کہ اسکے لئے ہمنے منزلیں ٹھیرا دیں - یہانتک کہ (اخیر ماہ میں گھٹتے گھٹتے) پھر ایسا ٹیڑھا اور پتلا رہ جاتا ہے - جیسے کھجوُر کی پُرانی ٹہنی - نہ تو آفتاب سے ہی بن پڑتا ہے - کہ چاند کو جالے اور نہ ہی رات دن سے پہلے آسکتی ہے - اور کیا چاند اور کیا سوُرج سب اپنے اپنے مدار یعنے گھیرے میں پڑے تیر رہے ہیں ....

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہے - اس سے وہ قبول نہیں کیا جائیگا اور وہ شخص بالآخر زیانکاروں میں سے ہوگا ؛

مسیح علیہ السّلام بھی ایک مسلم تھے

فطرتاً انسان احکام شریعت کی پابندی کے قابل ہے - اور یہ وہ اصول ہے جو اسلام کو نام نہاد مسیحیّت سے متمیّز کرتا ہے - خود مسیح

علیہ السلام نے کبھی ایسے نامعقول اصول تلقین نہیں فرمائے جو کلیسیا نے آپ کے بعد پولوس کی زیر تعلیم شریعت کو لعنت قرار دیکر تلقین کرنی شروع کر دیئے۔ مسیح خود ایک پکا مسلمان تھا۔ اور نہایت صاف واضح اور بین الفاظ میں انہوں نے اسلام کا صحیح مفہوم اپنے پیروؤں کو سکھایا۔ جیسا کہ ان کے اپنے الفاظ سے ظاہر ہے۔ یہ مت خیال کرو۔ کہ میں شریعت اور انبیاء کو تباہ کرنے آیا ہوں۔ نہیں نہیں میں تباہ کرنے نہیں آیا بلکہ احکام شریعت کو پورا کرنے آیا ہوں۔" کیونکہ میں تم سے صاف کہتا ہوں کہ جب تک زمین و آسمان نہ پھٹ جائیں تب تک شریعت میں ایک شوشہ بھی کم نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ وہ مکمل ہو جائے پس جو کوئی ان احکام کی خلاف ورزی کریگا اور لوگوں کو ایسا کرنیکی ہدایت کرے گا وہ آسمانی بادشاہت میں صغیر سمجھا جائیگا۔ اور جو کوئی ان پر عمل کرے گا۔ اور دوسروں کو بھی عمل کی تلقین کرے گا۔ وہ آسمانی بادشاہت

میں عظیم سمجھا جائیگا (ماخوذ از خطبہ کوہی)
یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسان ضابطہ و آئین کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ زندگی کے کسی شعبہ کو لیلو وہ مذہبی ہو یا دنیوی کسی جگہ بھی قواعد کی خلاف ورزی۔ بیقاعدگی یا بے ضابطگی قابل رشک چیزیں نہیں سمجھی جائینگی۔ اسلام کی اصطلاح میں شریعت ان حدود کی تعریف کرتی ہے۔ جو چیزوں کے استعمال میں ہمیں مدِّ نظر رکھنی ہیں۔ اور جو انسانیت کے مقاصد و اغراض کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالے نے مقرر کر دی ہیں +

خدا اور آخرت پر ایمان

خدا پر ایمان لانے کے بغیر کوئی انسانی نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ کیا تمام افعال انسانیہ کا حقیقی سرچشمہ انسانی دل نہیں ہے؟ کیا ہماری اندرونی خواہشات ہی ہمارے تمام کاموں کی ذمہ دار نہیں ہیں؟ کیا افعال کی باقاعدگی

دِل کی باقاعدگی پر منحصر نہیں ہے؟ دل کی پاکیزگی ہی کاموں میں پاکیزگی پیدا کرتی ہے۔ اور سفلی جذبات ہی افعالِ شنیعہ کو معرضِ وجُود میں لاتے ہیں۔ محکمۂ پولیس کے کارندے بیشک تمہارے افعال سے تمہاری نیّتوں کو معلوم کرنے کے عادی ہیں۔ مگر کیا دل کے اسرارِ نہانی تک اُن کو رسائی حاصل ہو سکتی ہے؟ کیا وہ بطُونِ انسانی کے عجائبات کو مطالعہ کر سکتے ہیں؟ یہ ناممکن ہے۔ پس اسی لئے ایک ایسی ہستی کی ضرورت ہے۔ جو تمہارے دلوں کے بھیدوں کو جانتی ہو۔ یا بالفاظِ قرآن ایک عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ چاہیئے۔ جو تمہارے دلوں کو نیکی اور خیر کا چشمۂ مصفا بنا دے۔ مزید براں کیا جرائم کا پردۂ خفا میں رہنا ہی مزید جرائم کے ارتکاب کا موجب نہیں؟ کیا مجرمین اکثر خلوت میں ارتکابِ جرم نہیں کرتے۔ اور پولیس کی نظروں سے پوشیدہ رہنے کی کوشش

نہیں کرتے ؟ اگر حالت ایسی ہو تو کیا تم نے
کوئی ایسی بیدار آنکھ مقرر کر رکھی ہے۔ جو
ہر آن انسانی افعال کی نگہداشت کرے؟
نہیں تم ایسا نہیں کر سکتے۔ تمہارے دنیاوی
حکمرانوں میں حاضر و ناظر ہونے کی صفات
نہیں ہیں +

اگر جرائم کی بیخکنی صرف اس صورت میں
ممکن ہو سکتی ہے۔ جبکہ تمام مجرمین کو سزا
دی جائے۔ تو پھر ان سینکڑوں اور
ہزاروں مجرموں کو کیا کرو گے۔ جن کی
عیاری تمہارے محکمۂ تفتیش کو دھوکا
دیجاتی ہے۔ آئے دن ایسے جرائم کا
ارتکاب ہوتا رہتا ہے۔ جو قانون کی
گرفت سے محفوظ رہتے ہیں۔ کیا دنیا میں
اس قسم کے جرم نہیں ہوتے جن کے واقع
ہونے کے بعد سزا پانے سے پہلے مجرم
مرجاتے ہیں۔ اب تمہارا انتظام حکومت
ان کو سزا دینے سے قاصر ہے۔ پس اگر سزا
سے غرض اصلاح ہے تو تمہاری حکومتیں نہ تو

تمام مجرموں کو سزا دے سکتی ہیں۔ اور نہ ہی ایک عالمگیر اصلاح کی بنیاد رکھ سکتی ہیں اسلئے انتظام اور تمدن کو مکمل صورت میں برقرار رکھنے کیلئے ضروری ہے۔ کہ ایک احکم الحاکمین کا وجود ہو۔ جو ہر جگہ حاضر و ناظر رہے۔ جو تمہارے قلوب کے راز ہائے سربستہ کو جانتا ہو۔ اور علاوہ ازیں لو بکمہ صفات سے متصف ہو۔ نیز تمہاری سزاؤں میں اصلاح کا اثر پیدا کرنے کیلئے یہ بھی ضروری ہے۔ کہ وہ لوگ جو یہاں سزا سے بچ جائیں۔ قیامت کے دن یعنی آخرت میں اپنے کیفر کردار کو پہنچیں +

اسلام دنیا میں اس لئے نہیں آیا کہ تمہیں چند مہمل سے تلقین کرے۔ جن کے بغیر بھی دنیا کے معلومات میں کچھ کمی واقع نہیں ہو سکتی تھی۔ اور نہ ہی اسلام تمہیں رسوم اور ظاہری پابندیوں میں مقید کرنے آیا ہے اسلام تمہارے سامنے ایک زندگی کا دستور العمل پیش کرتا ہے۔ اور تمہیں دنیا کا ایک شریف شہری بنانا چاہتا ہے تمہاری ہدایت کے لئے

زہ چند اصول بتلاتا ہے۔ اور ان اصولوں کو عملی رنگ دینے کے لئے چند عبادتیں سکھلاتا ہے۔ وہ مذہب کلیسا کی طرح تمہیں اخروی زندگی کی نعمتوں میں موجودہ زندگی کو ناقابل التفات نہیں بتلاتا بلکہ وہ سکھلاتا ہے کہ اسی زندگی کے نیک و بد افعال اُخروی زندگی کا جنت یا دوزخ بنینگے۔ ومن کان فی ھذہ اعمیٰ وھو فی الاخرۃ اعمیٰ یعنے جو شخص اس زندگی میں اندھا رہتا ہے آخرت میں بھی اندھا ہی رہیگا۔ قرآن کریم کی ایک آیت ہے جسمیں صداقت کا ایک دفتر بھرا پڑا ہے۔ اور وہ تمہیں نیکی اور خیر کی طرف مائل کرنے کی ایک زبردست ترغیب ہے۔

اِسلام کے پانچ بنا

اسلام یعنی سلامتی اور امن کی راہ

اپنے متبعین میں صحیح اسلامی سپرٹ پیدا کرنے کے لئے پیغمبر خدا نے ایمان کی زبردست عمارت پانچ مضبوط ستونوں پر رکھی ہے یعنی کلمۂ طیبہ۔ صلوٰۃ۔ صوم۔ زکوٰۃ اور حج +

اسلام جیساکہ اس کے لفظی معنوں سے عیاں ہے امن اور سلامتی کا مذہب ہے اور ان پانچ اصولوں کے ذریعے اس دنیا میں اور پھر عقبےٰ میں امن اور سلامتی قائم کرنی چاہتا ہے۔ جو حقیقت میں خدائی مذہب کی علت غائی ہے۔ مختلف مذاہب نے مذکورہ بالا نصب العین کو پورا کرنے کے لئے مختلف اصول قائم کئے ہیں مگر

وہ مذہب جو محمد الرسول اللہ صلعم دنیا میں لائے ان سب سے اس معاملہ میں متمیّز ہے۔ کہ اس میں حصول مقاصد کے لئے عقل انسانی کو معیار مقرر کیا گیا ہے۔ امن اور سلامتی کے جو یا نہایت بابرکت انسان ہیں نہایت خوبصورت اور مؤثر الفاظ ہیں۔ مگر الفاظ میں ایک حقیقت کو بیان کرنا ایک الگ امر ہے۔ اور اِن طریقوں اور راستوں کو بتا دینا جن پر چلکر وہ حقیقت خود بخود عملی رنگ میں آشکارا ہو جائے ایک جداگانہ امر ہے۔ اسلام کسی مفید نظام کی ترقی کے راستہ میں جو جو مشکلات ہیں ان کو حل کرتے ہوئے انسانی فطرت کو ملحوظ رکھتا ہے۔ پس اگر ہمارا انتہائے نظر امن اور سلامتی ہے تو ہمیں ان تمام واقعات پر غور کرنا ہوگا جو امن اور سلامتی کو تباہ کر دیتے ہیں۔ ہمارے قومی اور پرائیویٹ جنگ۔ باہمی حسد اور عناد اور انسانی سوسائٹی کے دیگر جرائم

حقیقت میں بدامنی اور بےچینی کے مترادف ہیں +

میری اور تیری کی حقیقت

ہماری تمام بدامنیاں اور بدمزگیاں ایک مشترکہ چشمہ سے پیدا ہوتی ہیں جو ان تمام چیزوں کی حقیقت میں اصل اصول ہے یعنی یہ چیز میری ہے - اور وہ چیز تمہاری ہے - ایک خاندان کی زندگی کے مختلف مدارج میرے اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے عمدہ مثال ہیں - ایک وقت ہوتا ہے جب کہ خاندان کے تمام بچے ایک ہی جسم کے مختلف جوارح کا کام دیتے ہیں - والدین خاندان کی تمام ضروریات کے کفیل ہوتے ہیں اور محبت کا رشتہ تمام افراد کو باہم منسلک کئے رکھتا ہے - مگر جوں ہی "میری" اور "تمہاری" کا جذبہ زبانوں میں الفاظ بن کر نکلتا ہے اور بچوں کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں اس کا اثر ظاہر ہونے لگتا ہے - اسی وقت سے خاندان کی مضبوطی اور استحکام معرض خطر

میں ہو جاتے ہیں ۔ یہ جذبہ نہ صرف خاندان ہی کی تباہی کا موجب بنتا ہے ۔ بلکہ انسانی تمدن کا اس سے بڑا اجتماع یعنی قومیت بلکہ اس سے بھی بڑھ کر خود انسانیت اسی جذبہ کے زیر اثر جنگ وجدال اور باہمی خوں ریزی پر اُتر آتی ہیں ۔ ایک قوم کا دوسری قوم سے برسرِ پیکار ہو جانا بعینہٖ اسی طرح ہے جس طرح خاندان کا ایک ممبر "میری" اور "تمہاری" کے فلسفہ کے ماتحت دوسرے ممبر سے اُلجھنے لگتا ہے ۔ پس یہ "میری اور تمہاری" دُنیا کے تمام فساد کی جڑ ہے +

اسی طرح ہمارے تمام سول جرائم اسی "میری" اور "تمہاری" کے خیال سے معرض وجود میں آتے ہیں ۔ ہم چاہتے ہیں ۔ کہ قابل اعتراض ذرائع سے اغیار کا مال ہڑپ کر جائیں ۔ پس اس خواہش سے ہم انواع و اقسام کے جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں ۔ غصب ۔ چوری اور ٹھگی قابل اعتراض ذرائع کی مختلف شکلیں ہیں ۔ جن کی وساطت

سے ہم "تیرے" کو "میرا" بنانا چاہتے ہیں۔ ذرا
زاویہ نگاہ کو وسیع کر لو۔ اور تمام قوموں
کے افعال کو اسی روشنی میں مطالعہ
کر جاؤ۔ تو آپ کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ سطح
زمین پر تمام بین الاقوامی رقابتیں
اور جنگیں اسی مقصد کے لئے ہوتی
ہیں۔ کہ ایک خاص مفاد سے خود کو متمتع
اور دوسرے کو محروم کیا جائے۔ وہ مفاد
ایک گمنام خطۂ زمین یا تجارتی منافع یا
اسی نوع کی اور چیزیں ہو سکتی ہیں۔ اگرچہ
حرص و ہوا کا یہ سرچشمہ کیسا ہی ناقابل
التفات کیوں نہ ہو۔ مگر وہ خونریزیاں
جو نتیجۃً پیدا ہوتی ہیں۔ نہایت ہی
قابل افسوس و تاسف ہیں۔ بس
اس مذہب کا پہلا فرض جو دنیا میں
امن اور سلامتی قائم کرنی چاہتا ہے
یہ ہے۔ کہ کسی نہ کسی طرح میری اور تمہاری
کے مسئلہ کو حل کیا جائے۔ کیونکہ جہاں
میری اور تمہاری کا فلسفہ ہمارے تنازعوں

اور جنگوں کو پیدا کرتا ہے۔ وہاں اسی کے ذریعے ہمارے قوٰے صحیح تربیت پاکر مناسب مشاغل میں سرگرم کار رہتے ہیں۔ یہ برکت بھی ہے اور لعنت بھی اب یہ دین الٰہی کا فرض ہے۔ کہ وہ طرز لقے بتائے جن سے یہ صرف برکت ہی ثابت ہو۔ "میری" اور "تمہاری" کا خیال ایک بیکار خیال نہیں ہے۔ یہی وہ خیال ہے جو انسان میں عمل کی قوت پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ کاموں کے جو ثمار ہونگے وہ کرنے والے کے سمجھے جائیں گے۔ اگر کوئی ایسا قانون رائج کر دیا جائے جو زید کی کمائی بکر کو دلاتا ہو تو پھر تہذیب اور شائستگی پر موت آنی لازمی ہے ایسی کوئی کوشش جس سے "میری" اور "تمہاری" کا خیال ہی دنیا سے اُٹھ جائے ایک سعیٔ لاحاصل ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے ایسی کوششیں کی ہیں نامرادی کی موت مرے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ انسان میں عمل کی

کوئی ترغیب ہی باقی نہ رہجائے یہی سوشیلزم
کا خلاف فطرت پہلو ہے جو مغرب میں
اس کا مدفن بنگیا ہے۔ خود مسیح کی تعلیم کو
دیکھو۔ وہ اللہ کا ایک برگزیدہ نبی تھا
اس کی وہ تلقین بھی کیا کرتا تھا کہ دُنیا کی
تمام خونریزیاں "میری" اور "تمھاری" کے خیال
سے پیدا ہوتی ہیں۔ مگر وہ اپنے مشن میں
پُوری طرح کامیاب نہ ہو سکا۔ شاید اس کا
زمانہ ہی ایسا تھا کہ ابھی عقل انسانی اس
پُختگی کو نہیں پہنچی تھی کہ اس کے پیغام
کو سمجھ سکتی۔ اس کے اپنے آدمیوں نے
اُسے باغی قرار دیا۔ اور مُروّجہ اصولوں کو
توڑنے والا سمجھا۔ اگر ہم صاف بیانی سے
کام لیں۔ اور عہد نامۂ جدید کو مسیح کی زندگی
کا ایک صحیح فوٹو تصوّر کریں۔ تو پھر ہمیں
وہ لوگ قابل ملامت نہیں دکھائی دیتے جو
ایک وہمی کے خیالات کی تائید نہ کر سکے۔
مخالفین کو تو چھوڑ دو کیا موافقین جو اسکی
بھیڑوں کے نگہبان ہیں۔ اسکی مفصلہ ذیل

تعلیم پر کار بند ہو سکتے ہیں ؟

"اور ان سے کہا - کہ راہ کے لئے کچھ نہ لینا نہ لاٹھی - نہ جھولی - نہ روٹی نہ روپیہ اور نہ دو دو کُرتے رکھنا"

"جس کسی گھر میں داخل ہو وہیں رہنا اور وہیں سے روانہ ہونا"

اور جس کسی شہر کے لوگ تمہیں قبول نہ کریں اس شہر سے نکلتے وقت اپنے پاؤں کی گرد جھاڑ دو تاکہ ان پر گواہی ہو (لوقا باب ۹ آیت ۳-۵)

دُنیا کی ابتدائی ضرورت کوئی خیالی نصب العین نہیں ہے - بلکہ برخلاف اسکے انسانوں کی ضرورت کو وہ عملی اصُول اور ہدایتیں پُورا کرتی ہیں. جو زندگی میں باقاعدگی پیدا کرتے ہوئے اصولوں کو حقائق بنا دیتی ہیں - ایک مصلح یا معلم کی تعلیم اِن الفاظ میں ہی نہیں ختم ہو جانی چاہئے - کہ امن اور سلامتی کے جویا با برکت اِنسان ہیں - بلکہ انہیں چاہئے کہ عملی میدان میں قدم رکھ کر حقائق کی ہواؤں کو سونگھیں - انکو

بتانا چاہیئے۔ کہ دُنیا میں کیونکر امن قائم کیا جاسکتا ہے۔ اور علم النفس میں امن جوئی کسے کہتے ہیں ⁜

میری اور تمہاری کے اصُولوں کو چند حدود میں مقید رکھ کر رائج کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ چند ایک عملی طریقے تجویز کئے جائیں جو انسانی افعال و مشاغل میں ضابطہ اور نظام پیدا کر دیں۔ طاقت کے ذریعے انسانی مقبُوضات میں توازن پیدا کرنے کی بجائے اگر فیاضی اور ایثار کا سپرٹ پیدا کیا جائے تو نتائج زیادہ مفید برآمد ہونگے۔ انسانوں کو اپنے پسینے کی کمائی سے محروم کر دینا نہ صرف خلاف قدرت اور احمقانہ وتیرہ ہے۔ بلکہ اس قوتِ عمل کو منجمد کر دیتا ہے۔ جس پر تہذیب کی تمام کُل چل رہی ہے۔ دنیا زیادہ سرسبز و شاداب اور پُر امن رہیگی۔ اگر ہر انسان اپنے مساعی کے نتائج سے خود متمتع ہو۔ اور بوقتِ ضرورت خوشی سے بیماروں اور اپاہجوں کی خاطر

اپنی کمائی سے کچھ صرف کر سکے۔ یہ اصول میری اور تمہاری کنزبوسی کو خیر و برکت میں تبدیل کر دیگا +

یہ ایک عظیم الشان مسئلہ ہے جس کو خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ حل کرنے کو آیا۔ وہ ان پانچ بنائے اسلام کے ذریعے میری اور تمہاری کے فطرتی جذبہ کو جو احساس انسانی کا لب لباب ہے قتل کرنے کے بغیر ہی ایک ایسا زندگی کا دستور العمل پیش کرتا ہے۔ جو اس جذبہ کے تمام نتائج بد کی بیخکنی کر دیتا ہے +

کوئی چیز ہمیں اپنے معشوق کیخاطر اپنا من دھن قربان کرنے سے نہیں روک سکتی اسلام اللہ کو ایک ایسا محبوب حقیقی قرار دیتا ہے۔ جس کی خوشنودی کے لئے اس کے پرستاروں کو سب کچھ لٹا دینا چاہئے۔ کیونکہ وہی ہستی برتر اور خداوند قدوس ہے۔ اور ہر حالت میں سزاوار حمد وستائش ہے تم اسوقت تک متقی نہیں ہو سکتے۔ جب تک تم اپنے مال

سے خیرات نہ کرو۔ قرآن کریم کے الفاظ ہیں +

اب میں آپ کے سامنے اِن چیزوں کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں جن کو ہم جانتے ہیں۔ اور جن کے حصول میں میری اور تمہاری کا جذبہ خیر و برکت ہونے کی بجائے بربادی کا سرچشمہ بن جاتا ہے اور ان چیزوں کے ذریعے لاتعداد بدیوں اور گناہوں اور نقصانوں کو پیدا کر دیتا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ زر دنیا میں تبادلہ اشیاء کی سہولت کا ایک ذریعہ ہے۔ اور انسان اس کو حاصل کرنے کیلئے بہترین طریق میں اپنا وقت خرچ کرتا ہے۔ خود وقت ایک زر ہے۔ اپنے تمام مقاصد کی تکمیل کیلئے ہمیں وقت چاہئے۔ ہماری تمام قومی ترقیاں مسدود ہو جائیں۔ اگر ہم آزادانہ طریق سے اپنا وقت خرچ نہ کر سکتے وقت کے بعد وہ چیزیں ہیں جو ہماری

جسمانی بھوک کو فرو کرتی ہیں۔ یعنی وہ خوردنی اشیاء جو ہمارے اندر زندگی کی رُوح کو تازہ کرتی ہیں۔ اِن جسمانی حوائج کے بعد ہمارا لباس ہے۔ لباس کے بعد ہمارے تعلّقاتِ زوجیّت ہیں۔ ہم انسان ذی شعور حیوان ہیں۔ اور ہماری زندگی کی قدرتی ہیئت سِنِ بلوغ کے بعد ہماری جائز انسانی خواہشات کے پُورا ہونے کا مطالبہ کرتی ہے۔ اور زندگی کے لطف و سرور کی ایک خوشنما شکل تعلقات زوجیّت کے قائم کرنے میں دیکھنا چاہتی ہے۔ اور شادی شدہ زندگی کے ساتھ لازم ملزُوم کے طور پر ہماری یہ بھی خواہش ہوتی ہے۔ کہ وہ تمام ذرائع دستیاب ہوں جِن سے بچوں کی باقاعدہ تربیت ہوتی رہے۔ اور ان کی تمام ضروری حوائج پوری ہوتی رہیں۔ ازاں بعد ہمارے محبُوب ہماری قوم اور وطن ہے۔ قومیّت اور حُبُّ الوطنی کے جذبات بھی بعض دفعہ

انسانی قوائے عمل کو بیدار کر دیتے ہیں۔ اور ان جذبات کا ناجائز استعمال کروڑ ہا نفوس انسانی کے ضرر کا موجب بن جاتا ہے۔ حبّ الوطنی کے ماتحت دُنیا میں بارہا سخت خُونریزیاں ہوئیں۔ اور حدُود سے اس کا تجاوز بارہا مال و جان کی تباہی کا موجب بنا ہے۔ مگر اس سے کوئی شخص یہ نتیجہ نہ نکالے کہ اپنے نفس کی محبّت۔ اپنے مقبوضات کی محبّت۔ اپنی بیوی اور بچّوں کی محبّت۔ اور اپنے ملک کی محبّت سب پاپ ہی پاپ ہیں نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ متمدّن انسان بالکل ناکارہ اور بے عمل ہو جاتا اگر یہ طاقتیں اسکی جدو جہد کو تحریک نہ دیتیں۔ مگر یہی باتیں اُس کی زیاں کاری کی وجہ بن جاتی ہیں۔ اگر ان میں اس حد کا استغراق ہو۔ کہ دوسروں کے حقوق پائمال کر دے وُہ مذہب جو دولتمندوں کے سامنے یہ عقدۂ لاینحل رکھ دیتا ہے۔ کہ ان کا آسمانی بادشاہت میں داخلہ اونٹ کے سوئی کے

رنگ میں گذارنے پر مشروط ہو گا۔ انسانیت کو کبھی اپیل نہیں کر سکتا۔ وہ ایک عام عالم غفلت و تکاسل پیدا کر دے گا جیسا کہ زمانۂ وسطیٰ میں ہوا۔ ہمیں ایک ایسے دینِ الٰہی کی ضرورت ہے۔ جو ایک جادۂ اعتدال تجویز کرے۔ اور ہمیں انتہا پسندیوں سے باز رکھے۔ ایسے پاک اصول کے بغیر مذہب ایک افسانہ اور داستان ہے۔ تاریخ عالم کے کسی واقع پر کسی خاص نوع کا ایمان مذہب نہیں بلکہ اصنام پرستی ہے۔ سچا اور حقیقی مذہب وہ ہے۔ جو اگر ایک طرف ہماری تمام طاقتوں کو دنیوی مشاغل میں سرگرم کار رکھتا ہے۔ اور مال و متاع کے جمع کرنے میں مستعد رکھتا ہے۔ تو دوسری طرف دوسروں کی خوشی اور راحت کے لئے قربانی اور ایثار کی بھی تلقین کرتا ہے۔ ایسا مذہب ہمارے اندر قربانی کی ایک روح پیدا کر دیتا ہے۔ اور دوسروں کی

خوشی اور راحت کے لئے قربانی اور ایثار کی بھی تلقین کرتا ہے۔ ایسا مذہب ہمارے اندر قربانی کی ایک رُوح پیدا کر دیتا ہے اور دوسروں کیخاطر خرچ کرنا متبعین کی نظروں میں ایک کارِ ثواب بنا دیتا ہے انسان ایک عابد حیوان ہے۔ ابتدائے آفرینش ہی سے اسلام نے ایک غائب ہستی کی پرستش کی ہے۔ اور معبُود کی رضا جوئی کیلئے اس نے ہمیشہ اپنی پیاری اور عزیز چیزوں کو قربان کیا ہے۔ اسلام نے اگر ایک طرف مسلم کے سامنے ایک ایسا دستُور العمل رکھ دیا ہے۔ جس کے ماتحت اس نے اپنا وقت۔ اپنی خورش و نوش اپنے خاندان اور ملک کو اللہ تعالےٰ کی خاطر قُربان کرنا ہے۔ تو دوسری طرف اس نے قلوب انسانی پر اس حقیقت کو بھی کندہ کر دیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کو خوش رکھنا صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ اس کی مخلوق کی خدمت کیجائے ✦

نماز

سب سے پہلے اسلام مجھے یہ تلقین کرتا ہے کہ خدائے واحد کے آستانۂ الوہیت پر گرنے کے لئے اپنے تمام ضروری سے ضروری مشاغل کو یکلخت ترک کر دوں۔ مجھے حکم ہے۔ کہ صبح سویرے اُٹھوں اور باوضو ہو کر نہایت ادب و احترام سے بارگاہ الٰہی میں استادہ ہو جاؤں۔ اسی طرح چوبیس گھنٹوں میں پانچ دفعہ مجھے نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔ تاکہ مجھے اس اہم فرض کا احساس ہوتا رہے۔ کہ میں نے وقت جیسی قیمتی چیز اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے سوا بھی خرچ کرنی ہے۔ اگر دن بھر میں اتنی دفعہ یہ مقدس اور بےغرض مشق میری زندگی کا معمول بن جائے تو پھر میرے لئے یہ بات نہایت آسان ہو جائیگی۔ کہ میں دوسروں کی خاطر اپنے اوقات گرامی قربان کرسکوں ؁

روزہ

حقیقت میں اسلام نے اپنی معقول تعلیم کے ذریعے انسان کو نہ صرف ان چیزوں سے روکا ہے۔ جو اس کے لئے حرام ہیں۔ بلکہ بعض حالات کے ماتحت دوسروں کی خاطر حلال چیزوں کے استعمال سے بھی منع کیا ہے۔ اس انسان کے لئے جو اسلام کی تعلیم کے ماتحت اپنے دنیوی مقبوضات اور تعلقات کو مذکورہ بالا نقطہ خیال سے دیکھنے کا عادی ہے معبود حقیقی کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا دینا اور ایثار اور قربانی کی ایک زندہ مثال بن جانا ذرا بھر دشوار نہیں۔ ایسے انسان کے لئے جو اپنے پسینہ کی جائز کمائی کو دوسروں کی خاطر بلا خوف و خطر خرچ کر ڈالتا ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ دوسروں کا مال غصب یا چوری سے حاصل کرنے کی جرأت کرے گا۔ اسلام نے یہ سنہری سبق روزہ کی

شکل میں تلقین کیا ہے۔ اپنی حیثیت کے موافق ہر شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ پیٹ بھر کر کھائے اور پیئے مگر ایک مسلم محض خدا کی خوشنودی کے لئے ایک معین وقت تک کھانے پینے سے بھی احتراز کرتا ہے۔ پس ایسے شخص کیلئے تمام اوقات میں بھی معاملات خورد و نوش میں حد اعتدال سے تجاوز کرنا ناممکن ہو جاتا ہے اسی طرح وہ انسان جو بیوی کی صحبت سے لطف خیز ہونے کا حقدار ہو کر ماہِ رمضان المبارک میں ارادتاً اس حق سے مجتنب رہتا ہے۔ تو اس نے حقیقت میں غیر محرموں کو شہوت آلود نظر سے نہ دیکھنے کی طاقت پیدا کر لی ہے۔ پس نماز روزہ اس سیڑھی کے پہلے درجے ہیں۔ جن پر چڑھ کر ایک مسلم اللہ تعالیٰ کی طرف صعود کرتا ہے آپ بیشک دنیا کے نوے فیصدی جرائم پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہو گا۔ کہ ان سب کا علاج پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے ان الفاظ میں بخوبی ملجائیگا۔ اگر لوگ صرف

ان چیزوں کے صحیح استعمال کی ذمہ داری
لے لیویں۔ جو اُن کے دونوں ہونٹوں
اور پاؤں کے درمیان ہیں۔ تو میں انکے
جنّت میں داخل ہونے کا ذمّہ وار ہوں"
اسلام روزہ کے ذریعے ایسی بیماریوں کا
علاج کرتا ہے۔ روزہ سے مُراد صرف
جسمانی صعُوبتوں کو برداشت کرنا نہیں بلکہ
روزہ تمام ناجائز خواہشات سے کنارہ کشی
سکھلاتا ہے۔ اور اسکی اہمیّت کو جتلا دینے
کے لئے مُعیّن وقت تک ہمیں اپنی جائز
خواہشات کی پیروی سے بھی روک دیتا
ہے مسلمانوں کے ہاں قمری مہینوں میں
ماہِ رمضان المبارک روزوں کا مہینہ
سمجھا جاتا ہے۔ دنیا کے تمام مسلمان اس
مہینہ کو مُقدّس خیال کرتے ہیں۔ اور اسمیں
روزے رکھتے ہیں۔ روزوں کا حکم صرف
اسلام ہی سے مختص نہیں۔ بلکہ دنیا کے ہر مذہب
نے کسی نہ کسی رنگ میں اپنے متبعین سے
اسکی مشق کرائی ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے اپنے

زمانہ میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے مگر روزوں کے فلسفہ اور دانش کے قائل ہیں۔ اسلام اور دوسرے مذاہب میں فرق صرف یہ ہے۔ کہ جہاں اسلام دوسرے مذاہب کے ساتھ بہت سی باتوں میں شریک ہے۔ وہاں وہ کچھ خاص احکام جاری کرتا ہے۔ جو اس کے روزہ کو دیگر مذاہب عالم کے روزوں سے ممتاز کر دیتے ہیں اور روزوں کے مفہوم کو "بھوکا مرنے" تک محدود نہیں رکھتے۔ بلکہ اسمیں ایسے عجائبات بھر دیتے ہیں۔ جو مفاد انسانی کیلئے ایک بڑی طاقت ہیں۔ ماہ صیام کا آغاز تمام دنیا کے مسلمانوں کی روزانہ زندگی میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔ اس مبارک مہینہ میں خورش و نوش کا یہ طریق ہے کہ سورج نکلنے سے پہلے یعنی سحری کے وقت کھانا کھا لیا جاتا ہے۔ پھر غروب شمس تک کھانے پینے سے مطلق اجتناب کیا جاتا ہے۔ اور تمام

مہینہ یہی دستور العمل رہتا ہے دیگر مذاہب
میں روزہ رکھنے کا قریب قریب یہی طریق
ہے مگر بعض مذاہب خاص خاص اجناس
کو ترک کرنا روزہ سمجھتے ہیں۔ مثلاً پھل
وغیرہ اور ان کے رس کو جائز سمجھا جاتا ہے
مگر اسلامی روزہ کھانے پینے سے مطلق
پرہیز کا نام ہے۔ علاوہ ازیں اسلام
چند اور احکام نافذ کرتا ہے۔ جس سے
روزہ کے معنی صرف بھوکا رہنا ہی نہیں
رہجاتا۔ شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ
نے بارہا ارشاد فرمایا ہے۔ کہ روزہ صرف
کھانے پینے کو ترک کر دینے کا نام نہیں ہے
اسی طرح قرآن کریم کی واضح آیات مفہوم صوم
کی تشریح کرتی ہوئی صاف بتلاتی ہیں کہ
روزہ کی اصل غرض انسانی اخلاق اور روح
کی تربیت ہے

بدی اور گناہ سے بچانے کا بہترین طریق
قرآن کریم نے یہ تجویز کیا ہے۔ کہ انسانوں سے
ماہ رمضان میں ان چیزوں کو بھی ترک کرنے کی

مشق کرائی ہے۔ جن کا استعمال دیگر اوقات میں جائز ہے۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کے ڈر اور خوف کو مدِ نظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔ پس اس طریق سے انسان کیلئے بدی سے رُکنا آسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ جائز اور حلال چیزوں سے بھی رکھنے پر قادر ہو چکا ہے۔ روزہ کے ایام میں انسان کو اِن تعلقات سے بھی کنارہ کشی کرنی ہوتی ہے جو زناشوئی کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔ اور شہوت کے ہر قسم کے اظہار سے مجتنب رہنا ہوتا ہے پس اسلامی روزہ جسطرح پیٹ کو معین وقت تک خالی رکھنے کا نام ہے۔ اسی طرح آنکھ کان۔ اب اور دیگر جوارح کو ایک باقاعدگی اور نظام کے ماتحت روک رکھنے کا نام بھی ہے غرضیکہ ہر قسم کی جسمانی خواہش کا مغلوب ہو کر انسانی عقل کے ماتحت ہو جانا روزہ کی عبادت کی اصل غرض اور مقصد ہے سُنّت نبوی کے مطابق ایک مسلم نہ صرف اپنے جوارحِ عمل و تخیل کو ناجائز باتوں سے مجتنب

رکھتا ہے۔ بلکہ انہیں قابل تحسین امور کے حصول میں مستعمل و مامور کرتا ہے۔ وہ شخص جو اپنے کو روزہ دار کہتا ہے مگر اپنی آنکھوں کو شہوانی نظاروں سے نہیں بچاتا۔ وہ ارکان روزہ کی ہرگز ہرگز پابندی نہیں کرتا۔ ایسا ہی جو آدمی خرافات سُنتا یا بکتا ہے۔ اور اس کے اعضا وجوارح افعالِ شنیعہ کے مرتکب ہوتے ہیں وہ غلط کار ہے۔ اور روزہ کے تقدس کو پائمال کرتا ہے۔ اسلام بُرے خیالات اور جذبات پر لعنت بھیجتا ہے۔ اسلام اپنے پیروؤں کو اپنی تمام اعلےٰ و صحیح قوتوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی تعلیم دیتا ہے یہی باعث تھا۔ کہ رسُول اکرم صلعم اپنی فطرتی طبع کریم کے باوجود ماہ رمضان میں نہایت درجہ کے حلیم الطبع وکریم النفس ہو جایا کرتے تھے۔ رمضان میں وہ سب سے بڑھ کر فیاضانہ سخاوت کیا کرتے تھے۔ قرآن کریم انسانی جذبات مثل غصہ وغیرہ کے دبانے کیلئے

یہی طریقہ تجویز کرتا ہے۔" والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین"
یعنے مسلم صادق وہی ہے جو اپنے غصّہ پر قابو رکھتا ہے۔ اور عفو سے کام لیتا ہے بے شک اللہ نیکوکاروں کو چاہتا ہے"۔
اسمیں شک نہیں کہ ہمارے جذبات کا منبع ہماری مختلف فطرتی خواہشات ہیں۔ اور ان پر پورا پورا قادر ہونا ایک نہایت دشوار امر ہے۔ مگر ان کا صحیح محل استعمال بنی نوع انسان کے لئے ایک غیر معمولی اور بیحد نفع کا موجب ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ہر شخص کو حکم دیا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے غصّہ کو قابو میں رکھے۔ بلکہ اس آدمی پر جو اس کا موجب بنا ہو۔ کچھ نہ کچھ تلطف کرنے کی مشق کرے۔ خصوصاً حالت روزہ میں مسلم کا ایسا کرنا ....
.... احکام روزہ کی تعمیل کا ایک جزو ہے۔ نیز اپنے مال و متاع سے مسلم کو نہایت فیاضانہ طور سے دوسروں

کی حاجت براری کرنی چاہیئے۔ رمضان
میں تمام دیگر صفات حسنہ کو معرض عمل
میں لانے کی تاکید خصوصیّت سے ساتھ
کی گئی ہے۔ وہ مہینہ جو اس قسم کے جود وسخا
اور اعمال صالحہ میں بسر ہو۔ یہ کبھی ہو ہی
نہیں سکتا۔ کہ وہ تمام سال کے لئے عمدہ
نتائج نہ پیدا کرے۔ یہی بات انسان کی
ہر دوسری قوت کے متعلق صادق آتی
ہے۔ علاوہ ازیں اگر نیکی کرنے کا شوق
انسان میں مکارم اخلاق پیدا کرسکتا
ہے۔ تو روزہ جیسے نظام و باقاعدگی پر
عملدرآمد لازماً محکم اخلاق پیدا کریگا +
بدقسمتی سے ایسے احکام جیسے روزہ وغیرہ
عیسائی دنیا میں ہمیشہ توبہ کرنے اور جسم
انسانی کو بادا ش گناہ میں انواع اقسام
کی عقوبتوں میں ڈالنے کے طریقے متصور
کیئے گئے ہیں۔ اور عیسائی لوگ انہیں عہدنامۂ
عتیق کا ایک اصول خیال کرتے ہیں۔ لہذا
ان کے نزدیک اس قسم کے مذہبی مسائل ایک

مطلق العنان سرکش ہستی کے صحیح اور واجب احکام ہیں جو وہ عامتہ النّاس پر مذہب کے پردے میں نازل کرتا رہتا ہے اور اپنی مخلوق کو اس قسم کی تکلیف دینے سے محظوظ ہوتا ہے۔ اور چونکہ مسیحی مذہب کے مطابق انسان اِس بھاری کام یعنی قانون کے بوجھ کے متحمل ہونے کے ناقابل تھا۔ اس لئے شریعت اس کے لئے ایک لعنت کا طوق بن گئی۔ لہٰذا یسوع مسیح انسانیت کو اس کے ضرر رساں اثر سے محفوظ رکھنے کے لئے مبعوث ہوا۔ ایک نہایت شدید سزا اس انسانوں سے محسن کو بھگتنی پڑی۔ تاکہ ہمیں ہر طرح کے مذموم توبہ کے طریقوں اور دیگر جسمانی تکلیفوں سے نجات دلائے۔ پس حصول نجات کے لئے اب ایک نیا عہد نامہ مرتب ہوا جس پر "خون" نے تصدیق کی مہر ثبت کی۔ بیشک یہ دینیات کا سخت غلط مفہوم ہے۔ مذہب کی غلط نمائی ہماری اخلاقی

حالت کی اصلاح ہے۔ اگر احکام روزہ کی تعمیل جیسا کہ اسلام بیان کرتا ہے اس اصلاح کو پیدا کرتی ہے۔ تو کیا کوئی کفارہ یا شفاعت احکام روزہ کی تعمیل کی قائممقام ہو سکتی ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اسلامی روزہ نہ تو کوئی بڑی جسمانی تکلیف ہے۔ اور نہ ہی ظالمانہ طریقہ ہے بھوک سے مرنے کا نام۔ روزہ ایک ایسا قبیح منظر نہیں ہے جسے ایک سفاک خود مختار حاکم کی وحشی آنکھیں نظارہ گیر ہو کر مسرور ہوتی رہیں۔ یہ کسی گناہ کی شفاعت نہیں کرتا۔ اور نہ ہی کسی دردناک تکلیف کو اس سے واسطہ ہے۔ روزہ ہمارے اخلاق کی اصلاح کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اور انسان کے لئے ایک ارفع اخلاقی نصب العین۔ کیا ہم سب اس امر سے واقف نہیں ہیں کہ روزہ ہمیں صبر و استقلال جیسے وقت پر کام آنیوالے اسلحہ سے مسلح کرتا ہے؟ اگر ہم عزم کار کو انسان میں سب سے بڑھی ہوئی

اخلاقی صفت قرار دیتے ہیں۔ تو ہر صحیح الاصول مذہب کا یہ بہت بڑا فرض ہے۔ کہ وہ اس صفت کو صرف ہمارے دماغ و تخیل تک ہی محدود نہ رکھے۔ بلکہ اسکے حصول کے لئے جو ممکن طریقے ہوسکتے ہیں ان سے آگاہ کرے۔ اسلام نے صرف دنیا کو یہی نہیں بتلایا کہ انکسار اور شرافت دو اعلےٰ صفات ہیں۔ بلکہ اس نے ہمیں وہ اصول بھی سکھلائے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے ہم ان صفات کے مالک ہوسکتے ہیں۔ روزہ کو اسلام نے ان ذرائع میں سے ایک ذریعہ قرار دیا ہے۔ حدیث شریف ہے۔ الصوم نصف الصبر یعنے روزہ نصف صبر ہے +

میں کہتا ہوں۔ اگر روزہ کی تعریف کو صرف کھانے پینے سے اجتناب ہی تک محدود رکھا جائے۔ تو بھی کوئی شخص اس مفید اور قیمتی عبادت کی اہمیت کا انکار نہیں کرسکتا۔ تمام دنیا جانتی ہے۔ کہ وہ

لوگ جو دسترخوان کی انواع و اقسام کی نعمتوں اور اکل و شرب کی مختلف شکلوں کی خاطر اپنا تمام متاعِ انسانی زیچ چکے ہیں کس قدر ڈاکٹروں اور طبیبوں سے منت گزار رہتے ہیں۔ اور کس کس جسمانی عوارض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے روزہ اکسیر کا حکم رکھتا ہے علاوہ ازیں پیٹو انسانوں میں خطرناک طور پر سفلی جذبات مشتعل ہوتے ہیں۔ اور انہیں مختلف قسم کی برائیوں کی طرف مائل کرتے رہتے ہیں۔ جن سے ایک پاکیزہ خصال انسان بالکل ناآشنا ہوتا ہے۔ ایک بھوکا انسان بدی کی طرف طبعاً مائل نہیں ہوتا۔ اگر یہ بات صحیح ہے۔ اور یقیناً صحیح ہے۔ تو کیا پیغمبر خدا صلعم کے یہ الفاظ صداقت اور راستی کا ایک دفتر نہیں ہیں؟ کہ ماہ رمضان میں تمام شیطان مقید ہو جاتے ہیں *

ماہ رمضان میں مسلم کی طرزِ زیست

اُوپر بیان کیا گیا ہے کہ ماہ رمضان المبارک میں ہمیں صرف بدی سے اجتناب ہی نہیں کرتا بلکہ جُود و سخا جیسی اعلیٰ صفات کا کثرت سے اظہار بھی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ممالک اسلامیہ میں رمضان کے دنوں میں دُنیوی مشاغل میں وہ انہماک نہیں ہوتا جو تمام وقتوں میں ہوتا ہے اس لئے مسلمانوں کی یہ ایک عالمگیر خواہش ہوتی ہے۔ کہ ایک سال کی کمائی جمع کرلی جائے۔ تاکہ ماہ رمضان میں دل کھول کر خرچ کیا جائے۔ اِس مہینہ میں تمدّنی اور اخلاقی گُرّہ میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوجاتی ہے۔ دنوں میں خود بخود پارسائی اور نیکی پیدا ہوجاتی ہے عشا کی نماز کے علاوہ اس مہینہ میں ایک اور غیر معمولی نماز ادا کرنی ہوتی ہے جسے نماز تراویح" کہتے ہیں۔ یہ نماز حقیقت

میں تہجد کے قائمقام ہوتی ہے۔ تہجد
اس چھٹی نماز کا نام ہے جو لازمی نہیں
ہے۔ مگر نیکوکار لوگ اُسے ادا کرتے
ہیں۔ اس کا وقت ایک بجے رات سے
لے کر نماز صبح سے قبل تک ہے لیکن رمضان
کے دنوں میں اِس کا ادا کرنا سب کے لئے
ضروری ہے۔ افطاری اور کھانا کھانے
کے بعد مسلمان رات کا بہت سا حصّہ مسجد
میں بحالت نماز گذارنے کے لئے جمع
ہو جاتے ہیں۔ چونکہ مسجد میں انسانوں
کا ایک ہجُوم ہو جاتا ہے۔ اسلئے باقاعدگی
اور ضبط قائم رکھنے کیلئے ایک امام بن جاتا ہے
اور دوسرے اس کے اقتدا میں نماز ادا
کرتے ہیں۔ وہ قرآن کریم بہ آوازِ بلند تلاوت
کرتا ہے۔ اور اس کے ایسے حصے مقرر کر لیتا
ہے جو کہ پُورے مہینہ میں ختم ہو سکیں۔
اس کی بیس رکعت ہوتی ہیں۔ اور عام
طور پر تین گھنٹوں میں ختم ہو جاتی ہیں
تب سب لوگ گھروں میں جا کر استراحت

کرتے ہیں ۔ مگر صبح سے دو تین گھنٹے پہلے پھر بیدار ہو جاتے ہیں ۔ بعض مسلمان اس وقت تراویح ادا کرتے ہیں ۔ اس کے بعد کچھ ناشتہ تناول کیا جاتا ہے ۔ اور نماز صبح ادا کی جاتی ہے ۔ جس کے بعد بعض لوگ رات کی بیخوابی کو پورا کرنے کے لئے تھوڑا سا سو رہتے ہیں ۔ پھر کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں ۔ مگر وہ لوگ جو اس ماہ میں کاروبار ترک کر سکتے ہیں ۔ مختلف مساجد میں دن بھر تلاوت قرآن میں مشغول رہتے ہیں ۔ یا نوافل ادا کرتے ہیں اور مختلف اخلاقی کتابیں مطالعہ کرتے رہتے ہیں ۔ ان دنوں میں مساجد بھرپور رہتی ہیں ۔ اور سوائے رات کے چند گھنٹوں کے باقی سب وقت کھلی رہتی ہیں ۔ ماہ رمضان میں خصوصیت سے دیکھا جاتا ہے کہ محتاجوں اور بیکسوں کی دلدوز صدائیں کانوں میں بہت کم آتی ہیں

کیونکہ ہر شخص محتاجوں کی دستگیری کا خواہشمند رہتا ہے۔ ہمدردی۔ احساس اور تقویٰ روزمرّہ کے معمول ہو جاتے ہیں سوسائٹی کے مفلس ترین افراد اپنے متموّل ہمسائیوں سے کافی اعانت حاصل کرتے ہیں۔ مغرب میں بھی اب ایسے لوگ موجود ہیں جو مراقبہ۔ خموشی اور توجہ کے تاثرات کے قائل ہوتے جاتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ انسانی دل ودماغ کی تربیت کیلئے یہ چیزیں بھی ضروری ہیں۔ ایسے افراد کے لئے ماہِ رمضان میں ممالک اسلامی اِن اصولوں کی صداقت کے عملی نمونے پیش کرتے ہیں۔

لیلۃ القدر

مسلمانوں کا یہ مشہور عقیدہ ہے کہ ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں ایک ایسی رات ہوتی ہے۔ جس میں انسانی دعائیں اور التجائیں بارگاہ ایزدی سے خلعت اجابت پہنتی ہیں

یہ رات دوسری نورانی راتوں سے کسی خاص طریق سے متمیّز نہیں ہوتی - مگر ان لوگوں کا تجربہ جن کی خوبیٔ طالع نے گوناگوں اسرارِ نہانی کو ان پر منکشف کیا بتلاتا ہے - کہ وہ مقدس رات طاق راتوں میں ایک رات ہے - بعض کی رائے میں وہ ستائیسویں یا انتیسویں ہے - مگر کثرت آراء ستائیسویں کے حق میں ہے - یہ خیال نہیں کرنا چاہئے - کہ یہ سب ڈھکوسلا اور افسانہ ہے - بلکہ یہ حقیقت ہے - کہ جس کو ان خوش قسمت لوگوں کے تجربہ نے پایۂ نبوت کو پہنچایا ہے - جو اس کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوئے - مصنّف کتاب ہذا ابھی اس خوشگوار تجربہ کے روح پرور اثرات سے غیر مانوس نہیں ہے - قرآن کریم اس رات کا نام لیلتہ القدر رکھتا ہے - آدھی رات سے لیکر صبح صادق تک کی ساعات نزول رحمتِ الٰہی کیلئے مخصوص ہیں - یہ عام طور پر یقین کیا جاتا ہے - کہ یہ رات بے ابر

ہوتی ہے۔ اور اس کی مقدس ساعات میں اسکی روح افزا ہوائیں مشامِ انسانی کو معطر کرتی رہتی ہیں۔ عابد جو مراقبہ میں بیٹھا یکسوئی سے توجہ الی اللہ میں مستغرق ہوتا ہے۔ یکلخت اپنے سینہ میں جذبات کی ایسی طوفان انگیزی محسوس کرتا ہے۔ کہ اس کا اندازہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ تمام کائنات تقدس کے لباس میں جلوہ گر نظر آتی ہے۔ اس کی تمام ارضی خواہشات اور سفلی جذبات بے جان ہو جاتے ہیں۔ وہ شوق بے اختیار کی لے میں اپنا قلب خداوندِ قدوس کے سامنے کھولکر رکھ دینا چاہتا ہے۔ اس پر ایک عالم طاری ہوتا ہے جو اُسے فنا فی اللہ کے مقام تک پہنچا دیتا ہے۔ وہ ایک آسمانی بوجھ کے نیچے دب جاتا ہے۔ اور عشق جاوداں سے ہمکنار ہوتا ہے۔ اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے۔ اور استغراق مجسم ہو جاتا ہے کسی حالت میں ہو۔ بیٹھا ہوا ہو یا کھڑا ہو۔ پھر وہ

حرکت کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اسکے
اندر سے دعاؤں کا ایک چشمہ پھوٹ بہتا
ہے۔ جس میں وہ خود کو برف کی طرح گھلتا
محسوس کرتا ہے۔ اس حالت میں اس کے
ذہن سے ایک خاص لعاب نکلتا ہے۔ جو
شیریں اور خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ اس کا
انشراح صدر ہوجاتا ہے۔ اور اس میں
تروتازگی کے آثار نمودار ہوجاتے ہیں۔ اگرچہ
وہ تنہا ہوتا ہے۔ مگر وہ اپنے آپ کو
ذات باری تعالےٰ کے روبرو استادہ
تصوّر کرتا ہے۔ جو اسے قرب منازل عطا
کرتا اور اس کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ ان
الفاظ سے اس کیفیّت وجدانی کا عشر عشیر
بھی نہیں بیان ہوسکتا۔ جو اس مبارک
رات میں کسی برگزیدۂ الٰہی پر طاری
ہوتی ہیں۔ ان چند بابرکت گھڑیوں کے
لئے انسان اپنی تمام زندگی کو قربان کرنے کو طیار
ہوجاتا ہے۔ جو صرف ایک مسلم ہی کو اس رات
نصیب ہوتی رہیں +

اعتکاف

مذکورہ بالا نعمت عظمٰے کے حصول کے لئے مسلمانوں کے ہاں ایک خاص عبادت ہے جو مراقبہ اور توجّہ الی اللہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس کو اعتکاف کہتے ہیں۔ تمام ممالک اسلامیّہ میں مساجد کے ساتھ حجرے پیوستہ ہوتے ہیں۔ جو معتکف لوگوں کے کام آتے ہیں۔ وہ لوگ جو اعتکاف میں بیٹھنا چاہتے ہیں۔ اکیسویں ماہ رمضان المبارک کو گھر سے الگ ہوکر حجرہ میں چلے جاتے ہیں جس سے نے صرف قضائے حاجت کے لئے الگ ہونا ہوتا ہے۔ ان کی خوراک نہایت ہی قلیل اور معمولی ہوتی ہے۔ اور ان کو حجرہ ہی میں پہنچا دی جاتی ہے۔ انہیں غروب شمس اور سحری کے وقت کھانا تناول کرنا ہوتا ہے۔ ان کا یہ معمول رمضان کی بیسویں تاریخ سے لے کر ماہ نو

سے طلوع تک ہوتا ہے۔ ایامِ اعتکاف میں سالک صفاتِ الٰہی پر غور کرتا اور اپنی ذاتی کمزوریوں اور نقصوں کو معلوم کرتا ہے۔ قرآن کریم کا مطالعہ اس نگاہ سے کیا جاتا ہے۔ تاکہ تعلیمات قرآنی اور شیوۂ انسانی میں تطبیق کامل پیدا کی جائے۔ پھر وہ اللہ تعالےٰ سے ہدایت اور راہنمائی کا طالب ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور تعلیماتِ قرآنی ان کے سامنے نصب العین ہوتے ہیں۔ وہ لوگ رات کی خاموش گھڑیاں دعاؤں۔ التجاؤں اور نمازوں میں گذار دیتے ہیں۔ لیلۃ القدر کی برکات کا حاصل کرنا ہی اعتکاف کی غرض نہیں۔ بلکہ انسان اپنی زندگی کو صانع تعالےٰ کے منا ظر قدرت کے مطابق رکھنی چاہتا ہے۔ اور وہ حجرہ کے تاریک کونہ میں بیٹھا اپنے سینہ میں شعلۂ یزدانی مشتعل کرتا اور آلٰہی روشنی منور رہتا ہے

ایسے عابدوں کے اعزّا و اقربا اُن کی طرف سے بجد خیرات کرتے ہیں۔ ہمارا مذکورہ بالا بیان شاید اسی مادّی خطۂ زمین کے متشککین کے لب تبسّم کو جنبش دیگا۔ مگر اہلِ حال جانتے ہیں۔ کہ اس قسم کی مذہبی رسوم میں کس قدر رُوحانی اور اخلاقی فوائد نہاں ہیں۔ یہ ایک روائتی عقیدہ نہیں بلکہ ایک حقیقت اور تجربہ ہے *

رمضانُ المبارک کی ستّائیسویں رات

اُوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ لیلتہُ القدر خاص الہٰی سے مخصوص ہے۔ اور عام طور پر یہ رمضان کی ستائیسویں رات سمجھی گئی ہے۔ جو لوگ اعتکاف نہیں بیٹھتے۔ وہ اس رات خاص خوشی مناتے ہیں۔ اور مساجد کو بہ حراغان کیا جاتا ہے جب افطارِ روزہ کا وقت قریب ہوتا ہے تو مسلمان سینکڑوں کی تعداد میں احاطۂ

مسجد میں جمع ہوتے ہیں متموّل لوگ مسجد میں کچھ کھانے پینے کا سامان لے آتے ہیں۔ ویسے تو ہر شام یہی معمول ہوتا ہے۔ مگر ستائیسویں رات کی کچھ اپنی خصوصیّات ہیں۔ تمام لوگ جو مسجد میں ہوتے ہیں کھانے میں شریک ہوتے ہیں۔ اور پھر ملکر نماز ادا کرتے ہیں۔ اوپر بھی بیان ہو چکا ہے۔ کہ ماہِ رمضان کی خاص نماز تراویح کہلاتی ہے۔ اور اس میں قرآن کریم تلاوت کیا جاتا ہے۔ بعض مسجدوں میں یہ انتظام کیا جاتا ہے۔ کہ ایک ہی رات میں مختلف اماموں کی اقتدا میں پورے قرآن کا ختم سنا جائے۔ یہ ہے مختصر خاکہ ماہِ رمضان کا جو ماہ عید کے طلوع ہونے پر ختم ہو جاتا ہے۔ لفظ عید کے معنی ہیں خوشی اور یہ دن اللہ تعالےٰ کے شکریہ میں گزارا جاتا ہے۔ کہ اس نے رمضان جیسی نعمت غیر مترقبہ ہمیں عنایت کی۔ شکرِ ایزدی

کی بجا آوری اس امر پر مبنی نہیں ہے کہ
خدا نے آخر کار یہ دکھوں - تکلیفوں -
اور فاقوں کا مہینہ گزار دیا ہے - یہ وہ
بودا الزام ہے جو مسیح کی بھیڑیں اسلام
پر دیگر الزاموں کی طرح لگاتی رہتی ہیں -
مگر اہل بصیرت کی نظروں میں اس کی
کچھ وقعت نہیں - ہر ایک مسلم کی خواہش
ہوتی ہے - کہ وہ پھر رمضان جیسی نعمت
سے بہرہ اندوز ہو - اور رمضان کا آخری
جمعہ جمعۃ الوداع کہلاتا ہے - اور اس میں
مسلمان ماہ رمضان کو اس طرح رخصت
کرتے ہیں - جس طرح ایک عاشق بادیدۂ گریاں و
بادل ناخواستہ اپنے محبوب سے جدا ہوتا ہے
یہ جمعہ اور جمعوں سے زیادہ شاندار ہوتا ہے
تمام مسلمان ملکر سب سے بڑی مسجد میں
نماز ادا کرتے ہیں - اور یہ دن تعطیل کا
دن ہوتا ہے - ہمیں مذہب عیسویت میں
ماہِ رمضان کی کوئی نظیر نہیں ملتی - کرسمس
ایک عظیم الشان انسان کے جنم کا دن ہے

جس نے دُنیا میں نیکی اور خیر کی تلقین کی۔ مگر جس طریق سے یہ دن بسر کیا جاتا ہے وہ ایک عیاش دیوتا کی یاد تازہ کرتا ہے اور مسیح جیسے مقدس انسان کے شایانِ شایاں نہیں ہوسکتا۔ یہ مسلم ہے کہ تمام مسلمان روزہ دار نہیں ہوتے۔ مگر اسلامی دنیا میں ایک واحد متنفس ایسا نہیں ہوگا جو ماہ رمضان کی بیحرمتی کرتا ہو۔ کوئی شخص اسکی توہین کرنے کی جرات نہیں کرے گا۔ بلکہ ہر شخص اس پر صحیح معنوں میں عملدر آمد کرنے کی کوشش کریگا۔ کسی مسلمان کو یہ کہنا کہ وہ روزہ دار ہے۔ یا یہ کہ موجودہ مہینہ ماہ صیام ہے۔ اسکو نیکی اور خیر کی طرف مائل کرتا ہے۔ کسی شخص کا زبانی اقرار کہ وہ روزہ دار ہے۔ دوسرے کے لئے اسکی صداقت کی زبر شہادت ہے۔ اس بیان سے بخوبی واضح ہوجائیگا۔ کہ روزہ ایک کیسی شاندار عبادت ہے۔ اور اس سے کیونکر اخلاق

اور روح کی تکمیل ہوتی ہے +

روزہ کب فرض نہیں ہے

حالت بیماری اور سفر میں روزہ فرض نہیں ہوتا ۔ یہ فرض بعض دیگر اوقات میں ادا کر لیا جاتا ہے ۔ روزہ کے متعلق تمام انفرادی حالتوں پر بحث بہت مشکل ہے ہر ایک آدمی خود اپنی حالت کا اندازہ لگا سکتا ہے ۔ اور معلوم کر سکتا ہے کہ اسکی بیماری کس حد تک ہے ۔ سب سے آسان طریق یہ ہے کہ طبیب یا ڈاکٹر سے مشورہ کر لیا جائے ۔ کہ آیا اسکی حالت روزہ رکھنے کے قابل ہے یا نہیں ۔ ہر ضعیفہ عورت اور حاملہ عورت اور حائضہ عورت کے لئے روزے ان خاص دنوں میں معاف ہیں ۔ وہ پھر کسی اور وقت رکھے جاتے ہیں ۔ اخیر میں میں قرآن کریم کی وہ آیات مع تفسیر درج کرتا ہوں ۔ جو روزہ کے مضمون اور احکام

پر بحث کرتی ہیں - آیات کی تشریح مولانا مولوی محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمۂ قرآن سے لی گئی ہے - حاشیہ کے نوٹ بھی بہت مفید ہیں - ان میں بعض نہایت ضروری اور مفید معلومات بہم پہنچائے گئے ہیں - آیات حسب ذیل ہیں :-

یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون

ترجمہ مسلمانو! جس طرح تم سے پہلے لوگوں یعنے اہلکتاب پر روزہ رکھنا فرض تھا تم پر فرض کیا گیا - تاکہ تم گناہوں سے بچو [۱]

---

[۱] روزہ نماز کی طرح ایک عالمگیر عبادت ہے - اور یہ اسلام کے تین عملی احکام میں سے ایک حکم ہے باقی تین نماز - زکوٰۃ اور حج ہیں قرآن کے الفاظ سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم سے پہلے جتنے انبیاء گذرے ہیں - ان سب نے روزہ اپنی اُمتوں کیلئے فرض کیا - روزہ ہر زمانہ اور ہر قوم میں ایک عبادت سمجھی گئی ہے جس پر حزن یا غم اور مشکلات کے وقت عمل کیا جاتا ہے (دیکھو) ہندوؤں میں روزہ کا تیوہار موجود ہے - یہانتک کہ خود عیسائی لوگ جو کفارہ پر ایمان لانے کی وجہ سے ابھی

اور یہ گنتی کے چند روزے ہیں[1]

نقش قدم
مذہبی حکم پر چلنا ضروری نہیں سمجھتے۔ مسیح کے حکم کے ماتحت روزہ رکھنے کے مکلف گردانے گئے ہیں (دیکھو متی ۶-۱۶-۱۷) "اور جب تم روزہ رکھو تو ریاکاروں کی طرح اپنی صورت اداس نہ بناؤ.... کیونکہ وہ اپنا منہ بگاڑتے ہیں تاکہ لوگ انہیں روزہ دار جانیں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے۔ بلکہ جب تو روزہ رکھے تو اپنے سر میں تیل ڈال اور منہ دھو"۔

جب فریسی اور فقیہوں نے یسوع کے پیروؤں پر اعتراض کیا کہ وہ یوحنا کی طرح اکثر روزہ دار کیوں نہیں رہتے۔ تو یسوع نے صرف جواب دیا کہ مگر وہ دن آئیں گے اور جب دولہا ان سے جدا کیا جائیگا تب ان دنوں میں وہ روزہ رکھیں گے" +

مگر اسلام نے مفہوم روزہ کو بالکل بدل دیا۔ اسلام سے پہلے غم اور تکلیف کے وقتوں میں روزہ ایک جسمانی صعوبت سمجھ کر رکھا جاتا تھا۔ مگر اسلام نے اسے روحانی اور اخلاقی ترقی کا ایک زبردست ذریعہ قرار دیا ہے۔ یہ مفہوم قرآن کے ان الفاظ سے واضح ہو جاتا ہے لعلکم تتقون یعنی تاکہ تم گناہوں سے بچو۔ غرض اور

---

[1] دنوں کی تعداد دوسری آیت میں رمضان کے انتیس یا تیس دن بتا دی ہے۔ تفصیلات روزہ کے لئے دیکھو تمہید مولانا مولوی محمد علی صاحب کے ترجمۃ القرآن انگریزی +

اس پر بھی جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر دے۔ اور جن بیماروں اور مسافروں کو کھانا دینے کا مقدور ہو۔ ان پر ایک روزہ کا بدلہ ایک محتاج کو کھانا کھلا دینا ہے [1] اس پر

کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرتا ہوا حلال اور جائز چیزوں سے بھی رُک سکتا ہے تو پھر ممنوعات سے اس کا نہ رُکا رہنا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ اسلام کی تمام عبادتیں حقیقت میں تربیت روح کے مختلف ذرائع ہیں۔ اصل میں روزہ میں دو حکمتیں ہیں (۱) ایک تو اخلاق اور رُوح کی تربیت۔ وہ یوں کہ انسان سے حلال چیزوں سے روکنے کی مشق کرا کر حرام چیزوں کے نزدیک نہ جانے کا عادی بنا دیا (۲) جسمانی تربیت۔ دشمنوں کے مقابلہ اور تحفظ ناموس اسلام میں مختلف مصیبتوں اور دکھوں کو برداشت کرنے کی روزہ کے ذریعہ مشق کرانی منصوّر ہے +

[1] فدیہ کے معنی امام راغب نے حسب ذیل بیان کئے ہیں۔ فدیہ اسکو کہتے ہیں جس کے ذریعہ انسان اپنے آپ کو بچائے۔ یہ وہ دولت ہے جس کے ذریعے انسان اپنی عبادت کی کمی کو پورا کر سکتا ہے۔ اس کے معنی وہ مال بھی ہے جسے خرچ کر کے کسی قسم کی آزادی خریدی جا سکے "جن کو مقدور ہے" سے مراد یہ ہے کہ دو لوگ جو شخص کو کھانا دینے کا

بھی جو شخص اپنی خوشی سے نیک کام کرنا چاہے تو یہ اس کے حق میں زیادہ بہتر ہے - اور سمجھو تو روزہ رکھنا بہرحال تمہارے حق میں بہتر ہے - روزوں کا مہینہ رمضانؔ کا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۷۷) مقدور رکھتے ہیں - ان لوگوں کے متعلق جو ایک طویل عارضہ میں مبتلا ہیں یا ضعیف العمر یا حد درجے کمزور ہیں (اسمیں حاملہ اور عورتیں بھی شامل ہیں) یہ حکم ہے کہ رمضان کے ہر ایک دن ایک آدمی کو کھانا کھلا دیں (دیکھو بخاری سُنن ابوداؤد) دوسروں سے احسان کرنا روزہ کے علاوہ ضروری قرار دیا گیا ہے - خود رسُول مقبُول جو فطرتاً حلیم الطبع اور فیاض منش تھے ماہ رمضان میں اَور بھی زیادہ سخی اور فیاض ہو جاتے تھے - اسکی ایک نہایت نرم صُورت صدقۃ الفطر ہے جو ایک آدمی کی خوراک کی مقدار عید کے دن دیا جاتا ہے - اور جو ہر مرد و عورت بچہ - مالک اور غلام پر فرض ہے (دیکھو بخاری)

لہ قرآن کریم کا نزول ماہ رمضان المبارک میں شروع ہوا جو عربی سال کا نواں مہینہ ہے - اسی لئے قرآن کے نزول کا تذکرہ اس مہینہ سے مخصوص ہو گیا - رمضان کے لغوی معنی ہیں ازدیاد حرارت - اسکی وجہ یہ ہے کہ جب مہینوں کے نام بدل دیئے گئے تو جو مہینہ جس جس موسم میں آیا - اس موسم کے لحاظ سے اس کا نام رکھا گیا - رمضان مہینہ شدت گرمی کا مہینہ تھا - اسلئے اس کا نام ہُوا (دیکھو بیضاوی) بعض یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام رمضان بھی ہے مگر اسکی کوئی دلیل نہیں ۔

ہے۔ جس میں قرآن شریف نازل ہؤا ہے۔ اور قرآن لوگوں کا رہنما ہے اور اس میں ہدایت ہے اور حق و باطل کی تمیز

ف ۱ القرآن اس کتاب مقدس کا نام ہے جو حضرت محمد الرسول اللہ صلعم پر نازل ہوئی۔ اور الہام الٰہی میں یہ لفظ بار ہا آتا ہے یہ لفظ فعل قَرَأَ کا اسم ہے۔ یعنے اس نے چیزوں کو اکٹھا جمع کیا۔ اصطلاح میں اس کے معنے پڑھنے کے ہیں کیونکہ جب حروف جمع ہوکر ایک خاص شکل اختیار کر کے الفاظ کی صورت میں ہو جاتے ہیں۔ تو پڑھے جانے کے قابل بنتے ہیں (دیکھو مفردات راغب) پس لفظ قرآن اور مفہوموں کو ادا کرتا ہے ایک تو یہ کہ اسمیں تمام سابقہ کتب کی تعلیم جمع ہے۔ دوسرے یہ کہ اسمیں الہامات الٰہی اس طرح جمع کئے گئے ہیں۔ کہ وہ ایک مستقل کتاب کی شکل میں آکر پڑھے جانیکے قابل ہیں۔ اور حقیقت میں یہ ایک کتاب ہے۔ جو خطہ زمین میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے"۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن کریم کے اکتیس مختلف نام خود قرآن میں آئے ہیں جنمیں الکتاب اور الذکر بہت مشہور ہیں +

ف ۲ یہاں قرآن کریم کے متعلق تین باتیں کہی گئی ہیں پہلی یہ کہ یہ ہدایت للعٰلمین ہے۔ اسلئے اسمیں نوع انسانی کے ہر طبقہ اور

کے کھلے کھلے حکم موجود ہیں۔ تو مسلمانو تم میں سے
جو شخص اس مہینے میں زندہ موجود ہو تو چاہئیے کہ اس
مہینہ کے روزے رکھے۔ اور جو بیمار ہو یا سفر
میں ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرے۔
اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کرنی چاہتا ہے اور
تمہارے ساتھ سختی نہیں کرنی چاہتا۔ اور
یہ حکم اس نے اسلئے دیئے ہیں۔ تاکہ تم
روزوں کی گنتی پوری کرلو۔ اور تاکہ اللہ
نے جو تم کو راہ راست دکھا دی ہے۔ اس
نعمت پر اسکی بڑائی کرو اور تاکہ تم اس کا
احسان مانو۔ اور اے پیغمبر جب ہمارے
بندے تم سے ہمارے بارہ میں دریافت کریں
تو ان کو سمجھا دو کہ ہم ان کے پاس ہیں جب

ہر زمانہ کے حسب حال تعلیمات موجود ہیں۔ دوسری یہ کہ ہدایت کے
مجوزہ اصول کی تشریح نہایت مکمل دلائل اور براہین بیان
کی گئی ہیں تیسری یہ کہ دلائل کے علاوہ حق اور باطل میں
فرق دکھایا گیا ہے۔ اور مومنین کیلئے اجر ایمان اور کافروں کیلئے
سزائے کفر مقرر کردی گئی ہے۔ جنگ بدر کو بھی یوم الفرقان کہتے ہیں
اور یہ جنگ بھی ماہ رمضان میں ہی واقع ہوئی ✢

کبھی کوئی ہم سے دُعا کرے۔ تو ہم ہر ایک دُعا
کرنے والے کی دُعا کو سنتے اور مناسب ہوتا
ہے۔ تو قبول بھی کر لیتے ہیں۔ تو ان کو چاہئے
کہ ہمارا حکم بھی مانیں۔ اور ہم پر ایمان
لائیں۔ تاکہ وہ سیدھے رستے لگ جائیں +

---

۵۷ اس آیت کا تعلق ماقبل اور مابعد سے یہ ہے کہ روزہ جسمیں ہر قسم کے گناہ سے اجتناب بھی شامل ہے انسان کو مبدءِ فیاض رحمت میں لیجاتا ہے۔ اور جوں جوں انسان قربِ الٰہی حاصل کرتا جاتا ہے توں توں اسکی دعائیں مستجاب ہوتی جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ خاتم الانبیا علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ ماہ رمضان المبارک میں معمول سے زیادہ نمازوں میں مصروف رہتے۔ اور صحابہ کو بھی ایسا کرنیکی تلقین فرماتے (دیکھو بخاری اور مسلم)

یہ بات کہ عابد کی دعائیں قبول ہوتی ہیں باوضاحت بیان کی گئی ہے مگر دو باتیں قابل غور ہیں۔ لوگوں میں ایک غلط عقیدہ مشہور ہے کہ یعنی یہ کہ دعا کے بعد اسباب ظاہری کی رعایت ضروری نہیں اس عقیدہ نے جہاں برکاتِ دعا کے انکاری دُنیا میں پیدا کر دیئے ہیں وہاں ایک ایسا گروہ بھی پیدا کیا ہے جو دُعا کی شیخی پر سامان ظاہری کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ مگر یہ فاسد خیالات ہیں۔ اسلام کا فلسفۂ دُعا اس سے جُداگانہ ہے۔ حقیقت میں دعا اور اسباب ظاہری کی رعایت دونوں میں ایک مضبوط پیوند ہے۔ وہ شخص جو کسی مقصد کے حاصل کرنیکی خواہش رکھتا ہے سب سے پہلے وہ ان ذرائع کی تلاش کرتا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر

وہ گوہر مقصود کو حاصل کرسکتا ہے - اس تلاش میں وہ اپنے تمام قوی لگا دیتا ہے۔ اور اس جدجہد میں پوری تگ و دو کرتا ہے - یہ قلبی انہماک ایک معنوں میں دعا کا مترادف ہوسکتا ہے - کیونکہ جب ہمیں ایک چیز کی تلاش ہوتی ہے اور وہ ہماری نظروں سے ہنوز پوشیدہ ہوتی ہے تو ہم ہستی برتر سے طالب ہدایت ہوتے ہیں - اور یہ ہدایت کی تمنا اس زبان میں ظاہر کیجاتی ہے جو ہمارے حسب حال ہوتی ہے - اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا - کہ جب کسی چیز کی تلاش میں انسانی روح نہایت جوش اور الحاح سے بارگاہ الٰہی میں گریہ وزاری سے گداز ہوجائے - اور اپنی کمزوری اور عجز کو محسوس کرکے حشمۂ حقیقی سے نور معرفت حاصل کرنے کی غرض سے سجدہ میں گر جاتی ہے تو اس وقت گویا وہ اسلامی معنوں میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کر رہی ہوتی ہے - فرق صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیکوکار اور دانشمند بندے آداب الٰہی ملحوظ رکھ کر دعا کرتے ہیں اور انکی دعائیں معرفت حقیقی پر مبنی ہوتی ہیں - مگر وہ جن کی آنکھوں پر پردہ ہے ظلمت و تاریکی میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہوتے ہیں - اور ان کی دعائیں صرف تخیل کی شکل اختیار کرتی ہیں - پس وہ لوگ بھی جو اسباب ظاہری تلاش میں برکات دعا کے قائل نہیں ہیں اسی طرح غلطی پر ہیں جس طرح وہ لوگ جو دعاؤں پر انحصار رکھتے ہوئے سامان و ذرائع کی رعایت نہیں رکھتے ÷

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ دعا کے اثر کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہر دعا فی الفور مستجاب ہوجائے - قرآن کریم نے اسکو یوں واضح کیا جاتے ہے :-

پاس جانا تمہارے لیئے جائز کر دیا گیا ہے - وہ تمہارے دامن کی جگہ - اور تم ان کی چولی کی جگہ ہو[۱] اللہ نے دیکھا کہ تم اپنے نفسوں میں خیانت کرتے تھے[۵۲]

(سورۂ انعام) بل ایاہ تدعون فیکشف ما تدعون الیہ انشاء یعنے تم جس آفت کے دور کرنے کیلئے اسکو پکاروگے - اگر اسکی مرضی میں آئیگا تو اسے دُور کر دیگا - ایک اور جگہ یوں ارشاد ہے - "ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات" یعنے البتہ ہم تمہیں تھوڑے سے خوف سے اور بھوک سے اور مال اور جان اور پیداوار ارضی کی کمی سے آزمائیں گے - پس مومنوں کیلئے بھی مصائب تکالیف مقدر ہیں - اور ان کو ان کے برداشت کرنے کیلئے تیار رہنا چاہیئے +

---

[۵۱] میاں بیوی کے باہمی تعلقات کی تشریح اور ان کے محبت و عشق کی دلا ویز بیان اور باہمی صحبت کی تلطف آمیزیاں جس خوبصورتی سے قرآن کریم نے بیان کی ہیں اسکی نظیر کہیں نہیں ملتی +

[۵۲] اس آیت کے شان نزول کے متعلق جو روایت مشہور ہیں ان سے نتیجہ چلتا ہے - کہ اوائل میں مسلمان ماہ رمضان میں راتوں کو بھی بیویوں کے پاس جانا گناہ خیال کرتے تھے مگر ابو موسیٰ کے قول کے مطابق مسلمانوں کا یہ وطیرہ مذہب عیسویت کے احکام پر مبنی تھا - اور سب باتیں اس پر متفق ہیں کہ اسکی ذمہ داری قرآن پر عاید نہیں ہوتی اس کا تذکرہ صرف اسی آیت میں ہوا ہے جو ایسے اس خیال کی تردید کرتی ہے - اور خود عائد کردہ صعوبتوں سے نجات دلاتی ہے +

پس وہ تم پر لوٹ آیا۔ اور اس نے وہ رکاوٹیں تم سے دور کردی ہیں۔ پس اب روزوں میں رات کے وقت ان سے ہمبستر ہو۔ اور ہمبستری کا جو نتیجہ خدا نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے یعنے اولاد اسکے حاصل کرنے کی خواہش کرو۔ نہ محض شہوت رانی کی۔ اور کھاؤ پیو۔ یہاں تک کہ رات کی کالی دھاری سے صبح کی سفید دھاری تمہیں صاف دکھائی دینے لگے[۵۱] پھر رات تک روزہ پورا کرو۔ اور ہاں تم مسجد میں اعتکاف[۵۲] بیٹھے ہو۔ تو رات کو بھی ان سے ہمبستر نہ ہونا

---

۵۱ خیط کے لفظی معنے دھاگے کے ہیں۔ مگر اس لفظ کا استعمال یہاں تک ہی محدود نہیں۔ خیط الرقبہ شاہ رگ کو کہتے ہیں۔ اور خیط من الصبح سپیدۂ سحر کو کہتے ہیں۔ اسی لئے تم کہتے ہو تبین الخیط من الخیط۔ یعنی رات دن سے جدا ہوگئی۔ الخیط الابیض سے مراد دن کی سپیدی اور خیط الاسود رات کی تاریکی یہاں مقصود پو پھٹنے سے ہے جس کے بعد غروب شمس تک ہر قسم کے اکل و شرب سے پرہیز تام ہے +

۵۲ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام تعلقات دنیوی کو منقطع کر کے ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں مسجد میں ہی بود و باش اختیار کر لیتے ہیں۔ اس عبادت کو اعتکاف کہتے ہیں مگر یہ اختیاری ہے لازمی نہیں +

یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں تو ان کے پاس بھی نہ پھٹکنا۔ اسی طرح اللہ اپنے احکام لوگوں سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ تاکہ وہ خلاف حکم کرنے سے بچیں۔ اور آپس میں ناحق ناروا ایک دوسرے کے مال کو خورد برد نہ کرو۔ اور نہ مال کو حاکموں کے پاس رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ گردانو۔ کہ لوگوں کے مال میں سے تھوڑا بہت جو کچھ ہاتھ لگے اسکو جان بوجھ کر ناحق ہضم[1] کر جاؤ۔

---

[1] دوسروں کے مال کو بیجا طور پر غصب سے احتراز کا حکم احکام روزہ کا ایک منطقی نتیجہ ہے۔ کیونکہ جب روزہ رکھ کر ہم اپنی جائز اور حلال چیزوں سے محض اللہ کی خوشنودی کی خاطر مجتنب رہیں گے تو دوسروں کا مال کیونکر غصب کریں گے۔ روزہ سے غرض جذبات پر قابض ہونا ہے اور جب ہم ایکدفعہ جذبات پر غالب آگئے تو تمام قسم کے احکام خداوندی کی خلاف ورزیوں سے ہمیں نفرت ہو جائے گی۔

بخاری سے اقتباسات

ذیل میں ہم مضمونِ روزہ پر اقوال نبی جو حدیث کی مشہور کتاب بخاری سے جمع کئے گئے ہیں درج کرتے ہیں :-

(۱) جب رمضان کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھلجاتے ہیں - اور شیطان زنجیروں میں مقید ہوجاتا ہے -

(۲) رمضان کا ماہ تو دیکھ کر روزے رکھنے شروع کردو - اور شوال کا چاند دیکھ کر چھوڑ دو - اگر آسمان پر بادل محیط ہوں تو پھر تیس دن پورے کرو -

(۳) عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں رسول اللہ صلعم دوسروں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنے میں سب سے ممتاز تھے - مگر ماہ رمضان میں حضور کی سخاوت افزوں ہو جاتی تھی ؛

(۴) وہ آدمی جو فریب دینے اور جھوٹ بولنے سے نہیں رک سکتا - اللہ تعالی کو اس کا ترک اکل و شرب ہرگز منظور نہیں - اللہ تعالے

کہتا ہے۔ کہ ہر ایک انسان نیکی اپنے لئے کرتا ہے
دیگر روزہ وہ میری خاطر رکھتا ہے۔ اور اسکا بدلہ
صرف میں ہی دے سکتا ہوں +
(۵) روزہ گناہ کی ڈھال ہے۔ روزہ رکھ کر
بد کلامی اور شور و شغب سے باز رہنا چاہیئے
اگر وہ کسی شخص کو اپنے متعلق سخت کلامی
کرتا ہے سنتا ہے دیکھتا ہے کہ اسکے خلاف طاقت
استعمال کیجا رہی ہے۔ تو اسکو یہ کہنا چاہیئے
کہ میں روزہ دار ہوں" +
(۶) اگر کوئی شخص شادی شدہ نہیں ہے۔ اور
اسکو جذبات سفلی سے مغلوب ہو جانے کا
اندیشہ ہو تو اُسے روزہ رکھ لینا چاہیئے +
(۷) کوئی شخص ماہ رمضان سے ایک یا دو دن
پہلے روزہ نہ رکھے۔ مگر جو شخص ایک خاص
دن روزہ رکھنے کا عادی ہو۔ اور وہ دن
ماہ رمضان کے بالکل قبل واقع ہو تو وہ
بیشک روزہ رکھ لے +
(۸) قرآن کریم میں خیط الابیض سے مُراد صبح کی
سفیدی خیط الاسود سے مُراد رات کا

اندھیرا ہے ÷

(۹) جب بلال نماز کے لئے اذان دے تو کوئی شخص کھانے سے دست بردار نہ ہو ÷

حضرت بلال نبی کریمؐ کے مؤذّن تھے بعض اوقات وہ وقت سے پہلے اذان دیدیتے تھے جس سے لوگ کھانا ترک کر دیتے تھے۔ اسی لئے مذکورہ بالا ارشاد ہوا ہے ÷

(۱۰) سحری کا کھانا مستحب ہے واجب نہیں ÷

(۱۱) اگر کسی شخص کے حلق میں ناک صاف کرتے وقت پانی چلا جائے۔ اور وہ اسے باہر نہ کر سکے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا ÷

(۱۲) طبیعت کے متلانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔ جبکہ ایسی چیز خارج ہو جو کھائی نہیں گئی ÷

(۱۳) روزہ ان چیزوں سے ٹوٹتا ہے جو کھائی جاتی ہیں۔ نہ کہ ان سے جو خارج کی جاتی ہیں

(۱۴) جب رات اپنا پہلو اس طرف کرے یعنے مشرق کی طرف اور سورج اس طرف ہو جائے یعنے مغرب کی سمت اور وہاں غروب ہو جائے تو یہ افطار کرنے کا وقت ہوتا ہے ÷

ماہِ رمضان سے علاوہ روزے

(۱) حضرت عائشہ فرماتی ہیں "پیغمبر خدا رمضان کے علاوہ شعبان میں سب سے زیادہ روزے رکھتے تھے اور تمام مہینے روزہ دار رہتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے "اپنی وسعت کے مطابق نیکی کیا کرو"۔

(۲) عبد اللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ پیغمبر خدا نے ایک دن مجھے یوں مخاطب کیا "عبد اللہ میں نے سنا ہے۔ کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو۔ اور رات نمازیں گذار دیتے ہو۔ اس قدر عبادت نہ کیا کرو۔ روزے بھی رکھو۔ مگر ناغہ بھی کیا کرو۔ نمازیں بھی پڑھو۔ مگر نیند بھی کیا کرو۔ کیونکہ تمہارے جسم اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے تمہاری بیوی اور تمہارے مہمان بھی تم سے اپنے حقوق کے طالب ہیں۔ ہر ماہ میں تین دن سے زیادہ روزے نہ رکھو کیونکہ ایک نیکی کا اجر دس گنا ملتا ہے"۔ پھر یہ فرمایا "داؤد نبی کی طرح روزے رکھو

اور ان سے تجاوز نہ کرو"۔ میں نے پوچھا وہ کس طرح روزے رکھتے تھے۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔ ایک دن چھوڑ کر +

(۳) جمعہ کے دن روزہ نہ رکھا کرو۔ سوائے اس صورت کے کہ تم دو دن اور روزہ رکھو۔ یعنی ایک دن پہلے اور ایکدن پیچھے +

(۴) پیغمبر خدا نے عیدالفطر اور عیدالضحے کے دن روزہ رکھنا ممنوع قرار دیا ہے +

لیلتہ القدر

(۱) رمضان کی آخری دس راتوں کی طاق راتوں میں اسکی تلاش کرو +

(۲) پیغمبر خدا ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھا کرتے تھے +

(۳) اعتکاف ایک رات کا بھی ہوتا ہے۔

(۴) ایک بیوی اعتکاف میں اپنے مرد کے پاس جا سکتی ہے +

زکوٰۃ

ہر ایک مسلم پر لازم ہے۔ کہ وہ سال میں ایک دفعہ اپنے اندوختہ کا حساب کرے۔ اور اس پر اڑھائی فیصدی زکوٰۃ دے۔ اسلام میں سخاوت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک اختیاری اور ایک لازمی۔ مؤخّر الذکر زکوٰۃ کہلاتی ہے۔ جس کا مصرف ادا کرنے والے کی رائے پر منحصر نہیں ہوتا۔ بلکہ زکوٰۃ ایک بیت المال میں جس کا انتظام ایک مجلس کے ہاتھوں میں رہتا ہے ادا کی جاتی ہے۔ اور وہ مجلس حسب ذیل آٹھ مقاصد کیلئے جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں خرچ کر سکتی ہے:

انما الصدقت للفقراء والمسٰکین والعٰملین علیھا والمؤلفة قلوبھم و فی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ و ابن السبیل فریضة من اللہ واللہ علیم حکیم۔ ترجمہ۔ خیرات کا مال تو بس فقیروں کا حق ہے۔ اور محتاجوں کا اور ان کارکنوں

کا جو مال خیرات وصول کرنے پر متعیّنات ہیں - اور ان لوگوں کا جن کے دلوں کا پرچانا منظور ہے - ان مصارف میں مال خیرات یعنی زکوٰۃ کو خرچ کیا جائے - اور نیز قید غلامی سے غلاموں کی گردنوں کے چھڑانے میں اور قرضداروں کے قرضے میں اور نیز خدا کی راہ میں اور نیز مسافروں کے زادِ راہ میں - یہ حقوق اللہ کے ٹھہرائے ہوئے ہیں اور اللہ جاننے والا صاحب تدبیر ہے - الفاظ "خدا کی راہ میں" جو فی سبیل اللہ کا ترجمہ ہے اسلامی صدقتوں کا غیر مسلموں کیلئے بھی مفید ہونا ثابت کرتے ہیں - اسی طرح تقسیم زکوٰۃ کی چوتھی مد بھی اسلام کی تعلیم کا ایک اور پہلو واضح کرتی ہے والمؤلفۃ قلوبھم سے مُراد وہ لوگ ہیں جو اسلام قبول کر چکے ہیں - ان کا قبول اسلام ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے کا موجب بن رہا ہے - یہاں تک کہ وہ اپنی روزمرّہ کی آسائشوں سے محروم کر دئیے گئے ہیں - پس ان نومسلموں کی ضروریات کو پورا کرنے اور ان کے

آرام و آسائش کو برقرار رکھنے کیلئے زکوۃ کا ایک حصہ خرچ کیا جانا ضروری سمجھا گیا ہے۔ اس طرح سے ہر ایک مسلم کا فرض ہے کہ وہ اپنی زکوۃ کا ایک حصہ تبلیغ اسلام کی خاطر صرف کرے۔ زکوۃ کے علاوہ دیگر فیاضیوں اور سخاوتوں کی خاص تصریح نہیں کی گئی۔ "ایک مبتلائے آلام سے خندہ پیشانی کے ساتھ سلوک کرنے سے لے کر خدمت انسانی کے لئے عزیز سے عزیز چیز کی قربانی تک" اختیاری سخاوت کہلاتی ہے ٭

عالم پیری میں پنشنوں کا تعین گرجوں سے امداد کی مختلف صورتیں۔ اور سوسائٹی کے مفلس افراد کو افلاس کی صعوبتوں سے بچانے کی تدابیر تمام اسلام کے پوُر لا یعنے قانون افلاس زدگان ہی کی مختلف صورتیں ہیں ٭

دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے، جس نے سخاوت اور صدقہ کو ایک قاعدہ میں منتظم کیا۔ اور سخاوت کو ایک باقاعدہ انسٹیٹیوشن

میں تبدیل کر دیا۔ پیغمبر خدا سے کسی نے پوچھا زکوٰۃ کا مقصد کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ ایک طریقہ ہے۔ جس سے اہل ثروت اپنے لاچار اور مفلس ابنائے جنس کی اعانت کر سکتے ہیں یس ایک مسلم نماز۔ روزہ اور زکوٰۃ کے ذریعے اپنے اندر قربانی کی روح پیدا کرتا ہے۔ اور دوسروں کی امداد اور خدمت کی عادت سیکھتا ہے۔ اس لحاظ سے ماننا پڑتا ہے کہ اسلام بیشک ایک عظیم الشان مذہب ہے *

حج

میں اوپر بیان کر آیا ہوں کہ انسانوں کا تعلقات و مقبوضات دنیوی سے بیجا شغف دنیا کے تمام فساد نقص امن کا ذمہ دار ہے اس نقص کو رفع کرنے کے لئے فریضہ حج وضع ہوا ہے۔ اس فریضہ کی بجا آوری کے لئے مسلمانوں کو اپنی زندگی میں ایکدفعہ بیت اللہ کی زیارت کو جانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اتنے طویل اور دور دراز سفر کی لاتعداد صعوبتوں کو برداشت کر کے ایک مسلم کے دل پر یہ حقیقت کا نقش منقش ہو جاتی ہے۔ کہ اپنے اقربا سے

جدائی کس قدر تلخ اور دلخراش ہے بیت اللہ
سے ابھی فاصلہ پر ہی ہوتے ہیں۔ کہ
حاجی لوگ اپنا معمولی لباس اُتار کر ایک
خاص لباس پہن لیتے ہیں۔ جو سب کے لئے
یکساں ہوتا ہے۔ ایک چادر اُوپر کے حصۂ
بدن کو ڈھانپنے کے لئے پہن لیجاتی ہے۔ اور
ایک نیچے کے حصہ کے لئے۔ ہر طبقہ اور عزت
کا انسان اس وقت ایک ہی لباس میں ملبس
ہو کر مساواتِ انسانی کا ایک زندہ پیکر بن جاتا
ہے۔ ۱۹۱۴ء میں حج بیت اللہ سے مشرف
ہوا۔ اور جو نظارے میں وہاں میں نے دیکھے
اس کا اثر میرے قلب پر دائمی رہیگا۔ مجھے
تصوّر کئی ہزار برس قبل زمانہ میں دیگیا۔
جبکہ ابوالاقوام یعنے ابراہیم مکہ میں پرستش
کے پہلے[1] گھر کی مقدس دیواروں سے نیچے

---

[1] اِنَّ اول بیت وضع للناس الّذی ببکّۃ مبٰرکًا
وھدیً للعٰلمین (القرآن) لوگوں کی عبادت کے لئے
جو پہلا گھر ٹھیرایا گیا وہ یہی ہے جو شہر مکّہ میں برکت والا اور دنیا جہان کیلئے
موجب ہدایت" اسمیں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے کہ مکہ میں بیت اللہ

استادہ تھے - حضرت ابراہیمؑ وہاں اللہ تعالےٰ کے حکم سے ماتحت گئے - جبکہ ہاجرہ اور اس کے بچے اسمٰعیل کو آب خشک اور جلتی ریت میں چھوڑ گئے - جہاں میلوں تک مسافر کی آنکھیں سبزی کو نہیں دیکھ سکتیں ✣

پہلا گھر ہے - جو اللہ تعالیٰ کی پرستش کے لئے بنایا گیا ہے - سر ولیم میور محمد الرسول اللہ کے سوانح کے دیباچہ میں لکھتا ہے - ڈیوڈورس سکولس جو سنہ عیسوی سے نصف صدی پہلے گذرا ہے - عرب کے متعلق لکھتا ہے کہ اس ملک میں ایک معبد ہے جس کا اہل عرب نہایت احترام کرتے ہیں یہ الفاظ بیت اللہ ہی طرف اشارہ کرتے ہیں - کیونکہ تمام عرب میں اور کوئی ایسا معبد نہیں تھا - جو لوگوں کو اسقدر محبوب ہو - روایتوں سے ثابت ہوتا ہے - کہ ازمنۂ سابقہ میں بھی لوگ مختلف حصۂ عرب سے کعبہ کی زیارت کیلئے جمع ہوا کرتے تھے - یمن سے اور حضر موت سے خلیج فارس اور شام سے عراق عرب اور صحرائے گرد و نواح سے لوگ آیا کرتے تھے - اس مقام کا اتنا بڑا احترام ضروری ہے کہ زمانہ درازہی سے ہو رہا ہے ✣

سلہ اسمٰعیل اور ہاجرہ کا قصہ جو باب پیدائش میں لکھا ہے وہ بہت حد تک صحیح ہے اگرچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ابراہیم ایک روٹی اور پانی کی ایک تھیلی دیکر انہیں زبیرے گاؤں میں ہائش اختیار کرنے کیلئے رخصت کیا صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے ہاجرہ اپنی سوکن کے اس نوع کے اخراج سے کبھی مطمئن نہیں ہو سکتی تھی عربوں کی یہ روایت کہ ابراہیم ہاجرہ اور اسمٰعیل کو لیکر اس جگہ آئے جہاں اب مکہ ہے یا شبل کر دیتے گئے انجیل کے بیان اور اس روایت کو جب ملا یا جائے - تو روایت صحیح معلوم ہوتی ہے ✣

اگرچہ حضرت ابراہیم کو یہ وعدہ دیا گیا تھا
کہ اس صحرا کا ایک بچہ ایک زبردست قوم
کا بانی ہوگا۔ مگر جگہ کی بے رونقی نے ان کے
دل کو مغموم کر دیا۔ ان کا دل پگھلنے لگا اور
الفاظ ذیل نے دعا کی شکل اختیار کی۔ و
اذ قال ابراھیم رب اجعل ھذ البلد
امنا و اجنبنی و بنی ان نعبد الاصنام۔ اور جب
ابراہیم نے کہا اے میرے رب اس شہر کو مامون
رکھیو۔ اور مجھے اور میرے بچوں کو اصنام پرستی
سے محفوظ رکھئے۔ رب انھن اضللنا کثیرا
من الناس فمن تبعنی و من عصانی فانک غفور الرحیم
ترجمہ۔ اے میرے رب انہوں نے بہت سے
انسانوں کو گمراہ کیا ہے۔ پس جو کوئی میری پیروی
کرے گا۔ وہ مجھ سے ہوگا۔ اور جو کوئی میری
نافرمانی کریگا۔ پس تو غفور الرحیم ہے۔
ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع
عند بیتک المحرم ربنا لیقیمو الصلوٰۃ فاجعل
افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم
من الثمرات لعلھم یشکرون ۰ ربنا انک تعلم

فاما مخفی وما نعلن وما یخفی علی اللہ من شیٔ
فی الارض ولا فی السمآء - الحمد للہِ الذی
وھب لی علی الکبر اسمٰعیل و اسحٰق ہ ان ربی
لسمیع الدعآء ۔ **ترجمہ** - اے ہمارے پروردگار
میں نے تیرے معزز گھر خانہ کعبہ کے پاس اس
بیابان میں جہاں کھیتی نہیں اپنی کچھ اولاد
لاکر بسائی ہے - تاکہ اے ہمارے پروردگار
یہ لوگ یہاں نمازیں پڑھیں - تو ایسا کر کہ
لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہوں - اور
دوسرے ملکوں کی پیداوار سے انکو روزی
دے - تاکہ یہ تیرا شکر کریں - اے ہمارے
پروردگار جو مطلب ہم چھپاتے اور جو ظاہر
کرتے ہیں تجھ کو سب معلوم ہے - اور اللہ
پر کوئی چیز چھپی نہیں رہتی زمین میں
نہ آسمان میں - خدا کا شکر ہے جس نے
مجھ کو باوجود بڑھاپے کے اسمٰعیل اور اسحاق
سے دو بیٹے عنایت کئے - کچھ شک نہیں
کہ میرا پروردگار دعا کو سنتا ہے
رب جعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعا

ربنا اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب

ترجمہ - اے پروردگار مجھ کو توفیق دے۔ کہ میں نماز پڑھتا رہوں - نہ صرف مجھ کو بلکہ میری اولاد کو بھی - اور اے میرے پروردگار میری دُعا قبُول فرما - اے ہمارے پروردگار جس دن اعمال کا حساب ہونے لگے - مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور کل ایمان والوں کو بخش دے ✣

یہ ایک دُعا ان دُعاؤں کا نمُونہ ہے جو گویا ناممکنات کو وقوع پذیر کرانے کی درخواستیں ہوتی ہیں - ان چیزوں کے حصول کیلئے دُعائیں جو انسانی قدرت میں ہیں منظوری کے بعد بھی کوئی اتنی اہم نہیں سمجھی جاتیں مگر ان چیزوں کے لئے دعا جو انسانی ذرائع کے استعمال سے نہ پاسکتی ہوں منظور ہونے پر خدائے سمیع کی ہستی اور اس کی زبردست طاقتوں کا ثبوت بن جاتی ہے - ابراہیم کی دُعا بھی اسی قبیل سے تھی - وہ اپنی ذریت کو ایک ایسی وادی میں چھوڑتے ہیں

جہاں لہلہاتے کھیتوں اور دل خوشکن سبزہ زاروں کا نام و نشان نہیں ۔ کہ جس کی حالت میں ابتک کوئی تغیر نہیں ہوا ۔ مگر باوجود اس کے وہ دُعا یہ کرتے ہیں ۔ کہ اے قادر مطلق میرے ان صحرائی بچوں کو ہر نوع کے اثمار سے بہرہ ور کیجیو ۔ وہ ایک ایسی جگہ ہے ۔ جس میں کوئی ایسی کشش نہیں جو پڑوسی کو سیر کے لئے یا فاتح کو یورش کے لئے اپنی طرف کھینچ سکے ۔ اسکے اندر کوئی ایسے خزائن پوشیدہ نہیں جو اولوالعزمان جہاں کی سرفروشانہ مساعی کو اپنے لئے وقف کر سکے ۔ مگر بایں ہمہ ابراہیم علیہ السلام دُعا کرتے ہیں ۔ کہ یہی جگہ تمام دُنیا کا مرکز بن جائے ۔ تو ایسا کر کہ لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہوں " دعائے ابراہیمی کے الفاظ ہیں ۔ ایک خشک اور ناقابل زراعت سرزمین جو بیرونی دنیا سے کوئی تعلق نہیں رکھتی ضروری تھا ۔ کہ بت پرستی اور طرح طرح کے اباطیل کا مسکن بنتی مگر ابراہیم چاہتے ہیں ۔ کہ اسی سرزمین میں رہکر ان کی اولاد

بتوں کو پوجنے سے باز رہے۔ بظاہر تو ایک امر ناممکن کو ممکن بنانے کی لاحاصل درخواست معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس دعا کا مخاطب وہ ہے جس کی نظروں میں کوئی امر ناممکن نہیں۔ اور حقیقت میں یہ دعا اللہ تعالےٰ کی جبروت و قدرت کا ایک عظیم الشان نشان ہے +

ابراہیم کی دعا نہ صرف کئی ہزار برس تک قرب اجابت سے محروم رہی۔ بلکہ اس کی اولاد نے ایسے افعال کئے۔ کہ انہوں نے دعا کے مفہوم کو اُلٹ کر گویا معکوس شکل میں پورا کر دیا۔ اور اُن کی بُت پرستی اور جاہلیّت زبان زد خلائق ہو گئی۔ مگر وہ وقت آرہا تھا۔ جبکہ وہ پتھر جس کو معماروں نے رد کر دیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو (متی ۲۱ ۴۲ ۴۱) آخر کار وہ وقت آیا جبکہ خداوند کا جلوہ کوہ فاران پر آشکارا ہوا۔ اور محمد خاتم النبیین مکہ میں مبعوث ہوئے۔ الہام الٰہی کے ماتحت انہوں نے اپنے ابنائے وطن کو باپ ابراہیم کی دعا یاد دلائی۔ جو دعا کہ ان تک رواً یتاً سینہ بسینہ

پہنچی تھی۔ اور ان کو اس کے ذریعے اس دُعا کے پورا ہونے کی نوید جانفزا سنائی۔ اور کیا میں نے خود اپنی آنکھوں سے چند سال بیشتر مکہ میں اس دُعا کی اجابت کا پُرفضا منظر نہیں دیکھ لیا؟ یہ وہی سرزمین ہے جو اب تک خشک اور ناقابل زراعت جواہر مگر دنیا کے تمام اطراف واکناف کے پھل وہاں موجود ہوتے ہیں۔ یہ وہی سرزمین ہے۔ جس میں کوئی ایسا قدرتی نظارہ نہیں جو سیاحوں کو اپنی طرف مائل کر سکے۔ مگر آج وہ اقوامِ عالم کا مرکز بن رہی ہے "تو ایسا کر کہ لوگوں کے دل اسکی طرف مائل ہوں" حضرت ابراہیم کی دعا کے الفاظ ہیں۔ کیا دُنیا بھر کے مسلمانوں کی یہ دلی خواہش نہیں ہے۔ کہ زندگی بھر میں ایکدفعہ زیارت بیت اللہ سے مشرف ہوں۔ اور کیا وہ اولاد ابراہیم کی پرورش کے لئے انواع و اقسام کے پھل نہیں لیجاتے؟ ابراہیم کے یہی الفاظ محمد الرسول اللہ کی دلی خواہش کا صحیح فوٹو

ہیں۔ اور اگر یہ خواہش ہمیں آج پوری ہوئی نظر آ رہی ہے۔ تو کیا اس سے خدائے بزرگ کی قدرت کاملہ کا ثبوت نہیں ملتا؟ جو دُعا کو درجہ مقبولیت بخشنے کے لئے کس دلربایانہ انداز سے واقعات اور اسباب کو جمع کرتا ہے "میرے بچّوں کو بُت پرستی سے محفوظ رکھیو"۔ باپ ابراہیم کی دوسری دُعا تھی۔ اب غور کرو کہ یہ دُعا کس شان سے مقبول ہوئی۔ خدائی ہاتھ کی ایک ہی جنبش نے بیت اللہ کو ہمیشہ کیلئے بُتوں سے خالی کر دیا۔ جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ زمانہ گذشتہ کی بت پرستی کو چھوڑ دو۔ کیا عرب کے صحرا نشین اور ان کے ساتھ کل اسلامی دنیا اس ذلت اور رسوائی سے نہیں بچا لیگئی جو بیسویں صدی کی تہذیب اور شائستگی کے دوران میں مغرب کے حصہ میں ایک خاص قسم کی مہذبانہ بُت پرستی کی پاداش میں مُقدّر ہو چکی ہے؟

اے ہمارے پروردگار! میں نے تیرے معزز گھر خانہ کعبہ کے پاس اِس بیابان مکہ میں جہاں

کھیتی نہیں اپنی کچھ اولاد لاکر بسائی ہے
تاکہ اے پروردگار یہ لوگ یہاں نمازیں پڑھیں"
دعائے ابراہیمی کے الفاظ ہیں۔ اور دنیا
میں صرف ایک ہی شخص ایسا گذرا ہے جس نے
دنیا میں صلوٰۃ کو ایک عالمگیر رنگ میں قائم کیا۔
اور اسے ایک زندہ اور جاودانی عبادت بنا دیا
اور وہ شخص محمد ہے علیہ صلوٰۃ۔ الخ"۔ یسوع
نے دعا کو ایک رُوحانی غذا بنانا چاہا۔ جب
اس نے فرمایا۔ انسان صرف روٹی سے زندہ
نہیں رہتا۔ بلکہ ہر اس لفظ سے جو اللہ کے
مُنہ سے نکلتا ہے۔ مگر افسوس کہ اس کے
پیرو خرطوم کے جنرل گارڈن کے قول کے
مطابق روٹی کی زیادہ پروا کرتے ہیں۔ مگر
محمدؐ نے اس بات کو حقیقت میں بدل دیا۔
جس پر ناصرت کا نبی خیالی پلاؤ پکا رہا تھا۔
اس نے اپنے متبعین کو جسم کی غذا دینے سے
پہلے روح کو غذا دینے کا پانچ دفعہ حکم دیا۔ اور کیا یہ امر
تعجب انگیز نہیں ہے۔ کہ دنیا بھر میں صرف
مکہ ہی ایک ایسی جگہ ہے۔ جہاں چوبیس گھنٹے نمازیں

ہوتی رہتی ہیں ؟ میں نے گرجے اور صوامعے بھی دیکھے ہیں۔ میں نے ہندوؤں کے مندر اور بدھ کے معابد بھی دیکھے ہیں۔ الغرض میں نے دُنیا کی مختلف عبادتگاہیں دیکھی ہیں۔ ان میں مساجد بھی شامل ہیں۔ وہ دن بھر میں کچھ وقت کے لئے عبادت کی خاطر کھلی رہتی ہیں۔ اور باقی وقت بند ہو جاتی ہیں۔ مگر تم مکّہ میں جا کر دیکھو کہ وہاں بیت اللہ ہر وقت انسانوں سے بھرا رہتا ہے۔ جن میں کئی رکوع میں ہوتے ہیں اور کئی سجود میں۔ میں جب زیارت بیت اللہ کو گیا تو اپنے استعجاب کو فرو کرنے کے لئے تقریباً رات دن کے تمام گھنٹے وہیں مقیم رہتا تو مجھے ایک لمحہ ایسا نظر نہ آیا جسمیں میں نے عابدوں کو طواف کرتے یا نمازوں میں مشغول ہوتے نہ دیکھا ہو۔ مدینہ کا روضہ بھی گیارہ بجے رات سے تین بجے صبح تک بند رہتا۔ مگر کعبہ پرستاروں کے لئے ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ اور یہ صرف ایام حج ہی میں نہیں بلکہ

سال بھر میں ایسا ہے ۔

ابراہیم کے دل کی یہ بے اختیار صدائیں جہاں اجابت دعا اور ہستی باری تعالیٰ کو ثابت کرتی ہیں۔ وہاں وہ ابراہیم کی ایک اور تمنا کا بھی اظہار کرتی ہیں۔ ابوالاقوام جس کی اولاد کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ تھا کہ وہ دنیا کے تمام اطراف اکناف میں پھیل جائیں گے۔ طبعاً اسبات کا متمنی تھا۔ کہ ان میں ایک عالمگیر اخوت قائم ہو جائے اور ایک ایسا مرکزی مقام تیار ہو جہاں وہ ایکدوسرے سے ملکر شاد کام ہوا کریں۔ اے ہمارے پروردگار لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر۔ اور اُن کو دنیا کے اثمار و پیار رہے۔ اس برگزیدہ الٰہی کی دعا کے الفاظ ہیں۔ جن سے وہ چاہتا تھا کہ مکہ دنیا کی اقوام کا مرکز بن جائے۔ اب یہ خشک اور بے آب وادی دنیا بھر کے پھلوں سے اپنے بچوں کی پرورش کرتی نظر آتی ہے اور ہر مسلم خواہ وہ کلیفورنیا یا برازیل میں ہو یا آسٹریلیا اور جاپان میں ہو حج کعبۃ اللہ کے لئے

بیقرار رہتا ہے - ایک متشکک دل کے لئے
کیسا مقام غور ہے - فاعتبروا یا اولی الابصار!!
سنہ ۱۹۱۴ء میں میں نے خود دنیا کی قوموں کو مکہ
میں جو پرانے زمانہ ہی سے ام القریٰ کہلاتا تھا
جمع ہوتے دیکھا - یہ ذی الحجہ کی نوویں تاریخ
تھی جبکہ چار لاکھ انسان جو دنیا کے مختلف
حصوں سے آئے ہوئے تھے - یعنی چین
فلپائن - مالابار - برما - ہندوستان افغانستان
بلوچستان - فارس - ترکستان - عراق عرب -
روس - شام - مصر - ٹرکی - انی سینیا اور
انگلستان سے جیسا کہ میں مع اپنے دوستوں
کے آیا تھا - مکہ سے منا کی طرف جو مکہ سے
چھ میل کے فاصلہ پر ہے روانہ ہوئے - یہ
وہی جگہ ہے جہاں ابراہیم خدا کے نام پر
اسمٰعیل کو قربان کرنے لگے تھے - رات بھر ہم
وہاں رہے - اور صبح کی نماز کے ادا کرنے کے
بعد ہم اس بلند مقام کی طرف روانہ ہوئے جسے
عرفات کہتے ہیں - جو مسلمانوں کا ایک اور مقام
مقدس ہے - اور جو منا سے چھ میل کے فاصلہ

پر واقع ہے۔ اور دوپہر سے پہلے پہلے ہمیں وہاں پہنچنا لازمی تھا۔ بیس میل تک لمبا ایک جلوس تھا جس میں اونٹ۔ گھوڑے خچر اور گدھے تھے جن پر سوار ہو کر حاجی منزل مقصود کو جا رہے تھے۔ کہیں کہیں گاڑیوں اور چھکڑوں کی آوازیں بھی آتی تھیں۔ اور نصف سے زیادہ لوگ پیادہ پا چل رہے تھے یہ اجتماع عظیم بلحاظ زبان و رنگ اور قومیت اختلاف کا ایک نمونہ تھا۔ افراد مختلف درجوں اور طبقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر سب نے سب حبل اللہ کو مضبوط تھامے شراب اخوت و مساوات اور توحید الٰہی سے سرشار تھے۔ نسب اور دولت دو ایسی چیزیں ہیں۔ جو معلوم ہو جانے پر لوگوں سے خراج احترام وصول کر لیتے ہیں۔ مگر قیمتی اور عمدہ لباس سے اجنبی بھی مرعوب ہو جاتا ہے مگر حکمت الٰہی جو انسانی حدود بندیوں کو منہدم کر کے ایک عالمگیر اخوت کی بنیاد رکھنا چاہتی تھی ایام حج میں مکہ کے گرد مساوات میں لباس

کے امتیازات کی بھی برداشت نہ کر سکی۔
ہر ایک حاجی کو خواہ وہ کسی طبقہ کا ہو بادشاہ
ہو یا گدائے گوشہ نشین مکہ کے مقدس حدود
کے اندر داخل ہونے سے پہلے اپنے قیمتی لباس
کو الگ کرنا ہوتا ہے۔ اور اُسکی بجائے دو
سفید چادریں جن کو احرام کہتے ہیں پہننی
پڑتی ہیں۔ ایک جسم کے اُوپر کے حصے کو اور
ایک نچلے حصہ کو ڈھانپنے کیلئے ہوتی ہے۔ اس
دلفریب منظر کو ذرا اپنی آنکھوں کے سامنے
لاؤ جبکہ سینکڑوں اور ہزاروں مرد و زن
سوسائٹی میں مختلف درجوں اور طبقوں سے
سے تعلق رکھتے ہوئے ایک ہی قسم کا لباس انکسار
پہنے ہوئے تمام امتیازی نشانوں سے آزاد
خداوند تعالیٰ کی حضوری میں مساوات کی
دلکش تصویر بنے ہُوئے اسی حالت میں مہینوں
اور ہفتوں فرائض الٰہی بجا لا رہے ہیں۔
اور ایکدوسرے سے ان کا طرز تخاطب کیا ہے
عمر اور تجنیس کے لحاظ سے کوئی باپ یا مائی
کہلاتا ہے۔ کسی کو بھائی اور بہن کہہ کر پُکارتے

ہیں - اور کسی کو بیٹا یا بیٹی سے مخاطب کیا جاتا ہے - ماہ رویان جہاں تمام لوازمات حُسن کی دلاویزیوں کے باوجود بیجا بانہ طواف کر رہی ہوتی ہیں - مگر شہوت آلود دیدہ بازیوں سے ایسی محفوظ ہیں - گویا کہ جیسی سات پردوں میں پنہاں ہیں - تمام آنکھیں قدموں کیطرف جُھکی ہوئی ہوتی ہیں - اور تمام دل سفلی جذبات سے بالکل مُبرّا - ایک بات جس نے میرے دل پر ایک نہ مٹنے والا نقش کندہ کر دیا - وہ یہ ہے - کہ انسانوں کے اس عظیمُ الشان اجتماع میں باہمی ہمدردی - ضبط اور نظام کا عجیب سماں تھا - مرد - عورتیں اور بچّے مکان مقصود کو دوڑے جا رہے تھے - جہاں کہ انہیں وقت مقررہ پر پہنچنا تھا مگر اکثر پاپیادہ تھے - تاہم کوئی شوروشغب اور دھکّا بازی نہ تھی - بیگمات اور بچّے آگے آگے رہتے تھے - اور یہ وہ اصُول تھا جس پر وسط افریقہ کے وحشی بھی کاربند نظر آتے تھے +

ایک ہستی کیلئے میری آنکھیں تین روز تک جستجو کرتی رہیں۔ مگر نہ پا سکیں یعنی وہ ہستی جو دنیا بھر کے مذہبی یا دُنیوی مجمعوں کو اپنی موجودگی سے مشرف رکھتی ہے۔ میری مراد پولیس مین سے ہے۔ میرے استعجاب کی کوئی حد نہ رہی جبکہ مجھے بتلایا گیا کہ اس بزرگ کی ایام حج میں کبھی ضرورت لاحق نہیں ہوئی۔ میں حیران ہوا کہ کیا ان دنوں میں خدا کی بادشاہت آسمان سے زمین پر آجاتی ہے۔ اور متضاد افراد کے مجمع میں امن اور شانتی کی رُوح پھونک دیتی ہے۔ کیا ان دنوں میں قلوب انسانی سے ارتکاب جرائم کا میلان فنا ہو جاتا ہے اور ہم فرشتے بن جاتے ہیں۔ کیا حاکم مکہ کو اس محافظ امن یعنی پولیسمین کی خدمات حاصل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ آپ کو اختیار ہے۔ جس طرح چاہیں اس واقعہ کی تشریح کر لیں۔ مگر میں آپ سے کہتا ہوں کہ میری متجسس نگاہ وہاں معمولی گنتا ہوں

کے ارتکاب کو بھی نہ دیکھ سکی ہیں ہندوستان
کے مختلف خصص میں مذہبی اور دنیوی۔
مسلم اور غیر مسلم تیوہاروں میں اکثر جاتا رہا
ہوں نے مغربی دُنیا کے مختلف اجتماعوں
کو بھی دیکھا ہے۔ مگر مجھے کوئی جگہ محکمہ پولیس
کے نمائیندوں سے خالی نظر نہ آئی۔ ایام حج
میں اس گروہ کی عدم موجودگی ہی اسبات
کا بین ثبوت ہے۔ کہ مذہب میں انسانوں کو
فرشتوں میں منتقل کردینے کی طاقت موجود ہے
اور یہ انسانوں میں ایسی عالمگیر اخوت کی روح
پھونک دیتا ہے۔ کہ وہ دوسروں کے مفاد
کی خاطر اپنی ضروریات کو قربان کرنا سیکھ لیتے
ہیں۔ اور گناہ سے بالکل آزاد ہوجاتے
ہیں۔ اس کو کہتے ہیں عناصر مختلفہ کو وحدت
تامہ کا لباس پہنانا۔ جب یہ روح انسان
کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔ تو گناہ کوچ
کرجاتے ہیں۔ تمام گناہ ہماری اس خواہش
سے پیدا ہوتے ہیں۔ کہ ہم دوسرے کے مال

۱؎ یہ وہ فقرات ہیں جنہوں نے باغ میں بیٹھے ہوئے میرے دل پر عجب کیفیت طاری کردی تھی

جڑھ ہے ۔ یہی تمام گناہوں کو پیدا کرتی اور تمام جرائم کو معرضِ وجود میں لاتی ہے ۔ کیا ایسی خواہش معمولی سے معمولی شکل میں بھی ایک ایسے قلب میں پیدا ہو سکتی ہے ؟ جو کہ دوسروں کی خاطر اپنی ذاتی احتیاجوں اور ضرورتوں کو قربان کرنا فرض اولین جانتا ہے ۔ اخلاقیات اسلامی کا یہ بنیادی اصول ہے ۔ جیسے کہ کلام اللہ میں مذکور ہے "تم متقی نہیں ہو سکتے ۔ جب تک کہ تم دوسروں کے مفاد کی خاطر وہ چیزیں نہ خرچ کرو جن پر قابض رہنا تم پسند کرتے ہو" ۔ یہ تھی وہ روح جو مجھے فضائے مکہ میں عنبر افشانی کرتی نظر آئی جس کی شمیم انگیزیوں نے جرائیم گناہ کو مار ڈالا اور صلیب دیئے کے بغیر ہی اژدہا کا سر کچل ڈالا " اندریں حالات کیا مسلمان اس قول میں حق بجانب نہیں ہیں کہ بیت اللہ کا حج ان کے تمام سابقہ گناہوں کو دھو ڈالتا ہے ؟ اگر وہ رُوح جس کا میں اُوپر ذکر کر آیا ہوں انسان میں پیدا ہو جائے ۔

اور کچھ وقت کے لئے بھی اس کے
تمام جذبات اور حسیات پر غالب ہو جائے تو
کیا گذشتہ گناہوں کو نہیں مٹا سکتی اور حیات
انسانی میں ایک دور تقویٰ نہیں پیدا
کر دیتی۔ کاش کہ مسلمان ایسی روح ہمیشہ
اپنے اندر پیدا کرتے رہیں۔ جو میں نے
اپنی زندگی کے ان معرکتہ الآرا ایام ثلاثہ
میں دیکھی۔ تو پھر یقیناً پیغمبر خدا کا سا نیک
اور خیر و برکت سے بھرا ہوا زمانہ لوٹ آئے
ہاں ہاں میں نے "خداوند کی بادشاہت"
کو کوہ فاران کے دامن میں قائم ہوتے دیکھ
لیا۔ اور میرے دل میں گذشتہ ایام کی یاد
تازہ ہو گئی۔ جبکہ رسول عربی کی عین حیات
میں "آسمانی بادشاہت" دنیا میں قائم ہوئی
اور یہ واقعہ میرے ازدیاد ایمان کا باعث
ہوا۔ کیا آپ کوئی سلطنت یا حکومت ایسی بھی
تصور کر سکتے ہیں۔ جو انتظام کی خاطر محکمۂ پولیس
کی خدمات سے بالکل مستغنی ہو۔ مگر ایسی حکومت
دنیا نے رسول اللہ کے زمانہ میں دیکھ لی۔ جبکہ جرائم

کا یکقلم سدِّ باب ہو گیا۔ اور جو کوئی کبھی کبھار کسی معمولی جرم کا ارتکاب بھی کرتا تو وہ خود رسُول اللہ کے سامنے دو تین دنوں کے اندر اندر ہی حاضر ہو کر اقبال جُرم کر لیتا۔ صحابہ کرام کی نظروں میں خدا کا حاضر و ناظر ہونا ایک خیالی عقیدہ نہ تھا۔ بلکہ ایک زبردست حقیقت تھی۔ کسی شخص کو مجرموں کو ماخوذ کرنیکی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ مجرم خود اپنے آپ کو گرفتار کیا کرتے تھے۔ کذب اور افترا ایسے معدُوم تھے۔ کہ موجودہ عدالتی ضابطوں کی مطلق ضرورت نہ ہوتی تھی۔ کسی شخص کو اپنے ثبوت میں شہادت پیش کرنے کی حاجت نہ تھی۔ دعوے کی شکل میں جرائم کا منسوب کرنا اور ملزم کی طرف سے جواب دعوے کا پیش کیا جانا ان دنوں میں نہ ہوا کرتا تھا۔ ایکطرف سے اگر سچا دعویٰ ہوتا تھا۔ تو دوسری طرف سے اقبال جرم ہو جاتا تھا اور بس۔ خداوند کی بادشاہت ہر جگہ نظر آتی تھی۔ یسوع کی دُعا۔ کہ "اے خدا تیری بادشاہت دنیا پر بھی ہو"۔

رسول عربی کے ہاتھوں پوری ہوئی صلی اللہ علیہ وسلم۔
اسلام کی مختلف عبادتوں جنہیں پانچ
بنائے اسلام کہتے ہیں کی تشریح میں بہت کچھ
لکھا جا چکا ہے۔ اور بتا دیا گیا ہے۔ کہ انکی
غرض مسلمانوں کے دلوں میں احساس کونی
کا پیدا کرنا اور ان دنیوی دلبستگیوں
کو دور کرنا جو خود غرضی کو پیدا کر کے ہر قسم
کے جرائم کو معرض وجود میں لاتی ہیں۔ فریضۂ
حج کے ذریعے حب الوطنی کے بعض ناموافق پہلوؤں کو
ہموار کر دیا گیا ہے۔ اور ہمارے جذبات حب الوطنی میں
ایک گونہ متانت ثقاہت پیدا کر دیگئی ہے۔ مختصراً میں
اپنے پہلے نظریہ کا اعادہ کرتا ہوں۔ اسلام دنیا میں
امن پیدا کرنے آیا۔ اور ان تمام طاقتوں کو تباہ کرنے
آیا جو خلل انداز امن ہیں۔ اسلام نے صرف یہی نہیں
بتلایا کہ حقیقی امن کسے کہتے ہیں۔ بلکہ ان عناصر
کو بیان کیا جن کی ترکیب سے امن مرکب ہے۔ اور
ان ذرائع کو واضح کیا جنکی وساطت سے امن حاصل
کیا جا سکتا ہے۔ "میری اور تیری" کا اعتراف
جہاں خوشی اور آرام کو پیدا کرتا ہے۔ وہاں

رنج و حسرت کا باعث بھی ہوتا ہے - اسمیں پاکیزگی اور طہارت پیدا کرنے اور قباحت اور درشتی کے دفعیہ کے لئے کسی علاج کی ضرورت تھی - اسلام وہ پیغام صلح ہے - جس کا وعدہ یسوع نے اپنے متبعین سے کیا - نہ کہ پولوس کا ایجاد کیا ہؤا مذہب جس کی تقلید کلیسیا آج یسوع کی تعلیم کو پائے استحقار سے ٹھکراتے ہوئے کر رہا ہے -
وہ جنگ جس نے تمام عالم کو ایک عرصہ دراز تک آتشگیر کر رکھا تھا ختم ہوچکی ہے - اور وہ میرے بیانات کی ایک فصیح مصدق ہے جہاں یہ ناموزوں نہ ہوگا - اگر میں اپنے مسجد ووکنگ والے خطبہ کو ذیل میں درج کر دوں جو میں نے عیدالفطر کے موقعہ پر ۱۳۳۷ھ میں اسی مضمون پر دیا تھا :-

پیغامِ امن

اے ربّ العالمین تو اس خوفناک خونریزی کا خاتمہ کر دے - اور اسکی خاکستر سے ایک دائمی

اور عالمگیر امن کی بنیاد قائم کر۔ پہلے کی طرح ایک مسلح امن کے ہم متمنی نہیں۔ نہ ہی کسی ایسے عارضی اور قلیل المدت صلح کے ہم خواہاں ہیں۔ جو موجودہ سائنٹیفک مگر وحشی دنیا کے شیطان کو پھر اپنی طاقت و قوت فراہم کرنے پر آمادہ کرے۔ تاکہ وہ انسانیت کا قلع قمع اور تمام جہان کو ایک ویرانہ میں مبدل کرے۔ ہم تو ایک ایسے امن کے آرزومند ہیں۔ جو زندگی کے ان تمام لچر اور خود غرضانہ اصولوں کی بیخکنی کرے۔ جو وقتاً فوقتاً ازمنۂ قدیم میں تلوار کو نیام سے باہر کرنے کے باعث ہوتے رہے ہیں۔ اے انسانوں کے محافظ و رازق! ہمیں ایک ایسی صلح کے عطیہ سے سرافراز فرما جس کے اعلےٰ و ارفع اصول اخلاق ہمیں اس قابل بنائیں کہ ہم میں سے ہر ایک فرد بشر حریت و مساوات کے فطری حق کا مدعی ہو۔ اور ہر ایک ملک کو اپنا وطن تصور کرے۔ امن سے میری مراد روح جسم اور قلب کے اس آرام و راحت کا قیام ہے

جس کو معرض حقیقت میں لانے کی غرض سے
تمام مذاہب من اللہ وقتاً فوقتاً دنیا میں
آئے ۔ ایسا امن جو خدا کی بادشاہت کا
مترادف ہو ۔ اور جو ہمارے پاس حضرت
موسیٰ و عیسیٰ و دیگر انبیا علیہم السلام کے ایام
میں آچکا ہے ۔ اور جو اپنی آخری شکل میں
محمد الرسول اللہ صلعم خاتم الانبیا کے آخری
حصّہ عمر میں نمودار ہوا جبکہ تمام انواع کی
خود غرضیاں اور قباحتیں معدوم ہو چکی
تھیں ۔ جب کہ انسانی دماغوں نے انسانیت
کے ایک وسیع مفہوم کو سمجھ کر اپنی ذاتی شخصیتوں
کو ایک عالمگیر شخصیت میں گم کر دیا تھا ۔ جب
ہر ایک چیز جس کے معنی "میری" ہوتے تھے ۔
"تیری" کے مذبح پر قربان کی جاتی تھی ۔ جبکہ
مقاومت حاسدانہ اور مخاصمت جاہلانہ
مفقود ہو چکی تھیں ۔ اور ان کی جگہ اخلاص
اور حب العباد کی خاطر قربانی اور ایثار پیدا
ہو چکے تھے ۔ ایک ابدی صلح کو حاصل
کرنے کے لئے دنیا کو مفہوم انسانیت پر دوبارہ

ایک وسیع نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ جو فرقوں
ملکوں اور نسلوں کی حدود بندیوں کو منہدم کر کے
انسانیت کے تمام متضاد عناصر کو ایک
خوبصورت جامۂ وحدت پہنا دے۔ جیسے کہ
رسول اللہ صلے اللہ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا
تیرہ روز کے بعد اس دن کا جو چھ برس اختتام
پذیر ہوگا۔ جس نے اس عالمگیر آتش جنگ کو
بھڑکایا تھا۔ اور جس نے نہ صرف دنیا کے
بہترین نفوس و اشیا کا ستیاناس کر دیا ہے
بلکہ انسان کے زبوں ترین خواص کو بر ملا و
آشکار اکیا ہے۔ انسان نے اپنے کو
جامہ شیطانیت میں ملبس کیا ہے یا شیطان
نے انسانی شکل و شباہت اختیار کی ہے
تہذیب و شائستگی کے تمام آثار نابود اور شرافت
و انسانیت کے تمام علامات مفقود ہو گئے
ہیں۔ افریقہ کا ایک وحشی حبشی بھی اس بربادی
و تباہی کے ہنگامے سنکر جو خوشنما اور سرسبز
بلاد میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ عرق خجالت
میں غرق ہو جائیگا۔ اس ظالمانہ سفاکی کے

دردناک افسانوں کا تصوّر بھی اِنسانی دماغ میں نہیں آسکتا جو جنگی اور سول محکموں میں یکساں نظر آتے ہیں۔ ایسی سفاکی۔ جو معرکۂ کارزار اور شفاخانہ میں خواہ وہ خشکی پہ ہوں یا تری پہ کوئی امتیاز نہیں کرتی۔ جو خدا کے معبدوں کے انہدام کو ایک معمولی چیز سمجھتی ہے۔ اور ان شریف روحوں کو آن کی آن میں فنا کردیتی ہے جو دو زانو ہو کر عبادتکدہ میں اپنے خالق کے حضور میں اس شیطنت کے خاتمہ کے لئے سر جھکائے دست بدعا ہیں +

اور آہ واثر کوئی طالع! یہ تمام سفاکیاں اور جلادیاں کہاں وقوع پذیر ہوتی ہیں اس آقائے نامدار کے ممالک مخصوصہ میں جو ابلیس کا سر کچلنے آیا۔ اور اپنی پیاری اور محبوب تعلیم کی بنا پر امن کا شہزادہ کہلایا۔ کیا کلیسیا میں اب کھوئی ہوئی بھیڑوں کو واپس لانے کی کوئی طاقت باقی نہیں رہی۔ اور کیا وہ اب اس المناک ہنگامہ سے دنیا کو نہیں بچاسکتا؟

نے مجھے خدشہ ہے کہ نہیں۔ اگر زمانہ وسطیٰ میں
کلیسیا خون میں غرق رہا۔ تو تاریکی اور
جہالت کو اس کا ذمّہ وار قرار دیا جا سکتا ہے
مگر کلیسیائے حاضرہ کو کیا ہو گیا۔ جب کہ اسکی
امداد پر تہذیب اور دینیات بہ پہلو بہ پہلو
موجود ہیں۔ کیا افتتاح جنگ سے پہلے
ہم مذہبی لٹریچر کے لئے جرمنی کے منت کش
نہ تھے۔ کیا سینٹ پال کے ڈین کے
قول کے مطابق اعلےٰ دینیات نے وہیں
جنم لیا تھا۔ مگر اب اس ملک کے منابر کو کیا
ہو گیا۔ کہ خداوندان جنگ کے ہاتھوں
کٹ پتلی بن رہے ہیں۔ منابر سے اب
جس قدر وعظ ہوتے ہیں۔ وہ سب خطبات
حربیہ ہیں۔ اور ان ذرائع کی جو جنگ
میں اختیار کئے جا رہے ہیں تعریف میں
رطب اللسان ہیں۔ بد قسمتی سے ریفارمیشن
سے لے کر اب تک مذہبی پیشواؤں نے
عامۃ الناس کو غلام بنائے رکھا ہے مگر
کلیسیا کا کیا کہنا کہ یہ جہاں کہیں بھی جو مشرق

میں ہو یا مغرب میں اپنے یکساں وطیرہ کے باعث شہرۂ آفاق ہو رہا ہے۔ تمام دنیا میں کم و بیش مذہب ذاتی اور سیاسی اغراض کو پورا کرنے کیلئے بطور ایک ہتھیار کے استعمال ہو رہا ہے۔ آہ انسانی درندہ گڈریئے کے لباس میں معصوم بھیڑوں کو چیرنے پھاڑنے میں مشغول ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ مذہب کے نام پر اس کے خود غرض متبعین نے جس قدر خوں ریزیاں کی ہیں۔ اس قدر کسی اور انسانی معہد (Institution) کے نام پر نہیں ہوئیں اندریں حالات یہ امر حیرت انگیز نہیں ہے کہ حامیاں مادیات مذہب کو ایک مخفی ظلم اور مستور خونریزی کا ایک نظام خیال کریں۔ اور اسلئے اس امر کو جائز قرار دیں کہ مشاغل انسانیہ سے مذہب جیسی شیطنت کی بیخ کنی کر دیں۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ کیا ان لوگوں نے مذہب سے بڑھ کر کوئی اور عمدہ نظام امن قائم کر دیا ہے۔ جو دنیا میں سلامتی کی حکومت قائم کر دے۔ کیا ان کا اپنا ہی فلسفہ

حیات انسان کی موجودہ کلفتوں اور جنگ کی ساری صعوبتوں کا باعث نہیں بن رہا۔ کیا نٹشے کی فوق الانسان ہستی جو نتائج سے بے نیاز ہو کر اپنی مرضی پورا کرکے رہیگی۔ ان لوگوں کا نصب العین نہیں ہے؟ کیا یہی آپ کا "بقائے اقوائے" کا وہ بودا نظریہ نہیں ہے جو کمزوروں کو خدا کی زمین پر سانس لینے نہیں دیتا۔ بلکہ مضبوطوں کے مفاد کیلئے ان کی قربانی کو مباح خیال کرتا ہے۔ جنگ کا دیوتا اپنی اولاد کو لے کر دنیا میں اپنی مضبوطی تسلیم کرانے تشریف لے آیا ہے اور باقی تمام عناصر کو اپنے قدموں کے نیچے رولدنا چاہتا ہے۔ بھائیو! تمہارے یہ مینی فلاسفر اپنی دماغی جدت طرازیوں سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہ صرف مذہب اور مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے جو اپنی مصفا شکل میں نمودار ہو کر تمہاری نجات کا موجب ہوگی۔ مگر یاد رکھو وہ کلیسائی مذہب نہیں۔ خواہ وہ مغرب میں ہو یا مشرق

ہیں۔ مؤخر الذکر سے متعلق یہ کہہ دینا ہی
کافی ہوگا۔ کہ اس کے بہترین شارحین
نے اعلان کر دیا ہے۔ کہ وہ اس کے اصولوں
سے مطمئن نہیں ہیں۔ جنگ سے پہلے
ہی وہ اسباب کو محسوس کرتے تھے۔ کہ مسیح
کے کلیسا کی عمارت کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر
طرح توڑ ڈالی جائے۔ جنگ نے اس نظام کے
کھوکھلا پن کو اور بھی واضح کر دیا ہے
اور خود کلیسا میں پچھلے چار سالوں کے
عرصہ میں ایسی آوازیں بلند ہوتی رہیں
جو ہماری اس رائے پر صاد کرتی ہیں
ڈین انج حصول نجات کے لئے کسی اور نبی
کا منتظر ہے۔ یہ بیان دلچسپ تو بہت ہے
مگر اس مجلس کے لئے وجۂ افتخار نہیں
ہوسکتا۔ جس سے ڈین مذکور کا تعلق
ہے۔ مگر کلیسا کی ہر جگہ یہی حالت ہے۔
کیسی دردناک یاس اور ناامیدی کا منظر
ہے! مگر ہمیں اس خود ساختہ محافظ
مذہب کی ضرورت ہی کیا ہے؟ آؤ ہم

عجز و انکسار سے ان انسانی محسنوں کے قدموں پر گر جائیں جو اللہ کے دین کو اللہ ہی سے لائے۔ اور اسی کے نمایندے بنکر اسکے مذہب کو اس کے غافل بندوں تک پہنچایا۔ یعنی انبیاء عالم۔ آؤ ہم ابراہیم۔ اسمٰعیل۔ اسحٰق۔ یعقوب اور ان کی اولاد کے قدموں پر گر جائیں۔ آؤ ہم موسیٰ۔ عیسیٰ اور محمد صلعم اور دیگر انبیاے عالم کی حضوری میں کامل فرمانبرداری کرتے ہوئے حاضر ہو جائیں۔ اور انسان کش حادثوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے انہیں اپنے ہادیانِ طریقت مان لیں جانتے ہو کامل فرمانبرداری کیا ہے؟ میں تمہیں قرآنی الفاظ ہی میں اس کی تشریح بتلاتا ہوں۔ کتاب اللہ انبیائے عالم کے متعلق مسلمانوں کے طرزِ عمل کی حسب ذیل الفاظ میں تعریف کرتی ہے

قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط

وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم
لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون ٥

ترجمہ: "اے مسلمانو! یہ حقیقت دُنیا میں آشکارا کردو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ اور اس چیز پر ایمان لائے ہیں جو محمد الرسول اللہ کے ذریعہ ہم پر نازل ہوئی۔ اور اس پر جو ابراہیم اسمٰعیل اسحٰق یعقوب اور آل یعقوب پر نازل ہوئی۔ اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اُس پر اور جو دیگر انبیائے عالم کو عطا ہؤا اس پر اور ہم ایمان کے بارہ میں ذرہ بھر تفریق نہیں کرتے۔ کیونکہ ہم تو اللہ تعالٰے کے کامل فرمانبردار بندے ہیں" ✝

یہ ہے مسلمانوں کا طرز عمل اور اب تم خدا کے لئے بتلاؤ کہ کیا اس طرزِ عمل کو اختیار کر لینے سے ہم مذہبی دنیا کے باہمی مناقشات کو بہت حد تک نہیں مٹا سکتے؟ ایک ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی مرضی کا طالب ہے اور اسکے احکام کی تابعداری کرتا ہوا اسکے

تمام رسُولوں کا جہاں کہیں بھی وہ ہوں منّت گذار ہے - یہ مت خیال کرو کہ دنیا میں کوئی خاص قوم یا انسان اللہ تعالیٰ کو زیادہ مرغوب خاطر ہے - تمام اسی کی یکساں مخلوق ہیں - اگر میرا اللہ انسانوں کی جسمانی تربیت میں اس قدر غیر جانبداری سے کام لیتا ہے - تو اس کو رُوحانی تربیت میں کسی خاص قوم کا طرفدار سمجھنا سخت بے انصافی ہے - اگر تم تمام نبیوں کو قبول کر لو - تو تمہارے پاس وہ پیغام امن آگیا جو انسانیت کو خود غرضی کے کریہ المنظر بھوت سے نجات دلا سکتا ہے +

میں اس مضمون پر آپ کے سامنے لمبے وعظ اور طویل خطبے نہیں دینا چاہتا - میں صرف آپ کی توجّہ مذہبی زندگی کے اس مقدس مقصد کی طرف مبذول کرونگا - جو مختلف طریقوں سے تمام انبیائے عالم نے اپنی اپنی طرز میں بیان

کیا ہے یعنی "خداوند کے ساتھ قدم بقدم چلنا" یا جیسا کہ ہادیٔ اسلام نے فرمایا ہے "صفات اور اخلاقِ خداوندی میں رنگین ہونا" تاکہ یسوع کے الفاظ میں پھر یہ کہنا آسان ہو جائے۔ کہ میں اور میرا آسمانی باپ ایک ہی ہیں"۔ روحانیت کے اس مقام ارفع پر پہنچ کر ہم حقیقت میں خدا نہیں ہو جاتے۔ اور نہ ہی آج تک کوئی ہم میں سے فی الواقع خدا ہوا ہے۔ آپ بیشک ان انسانوں کی زندگیوں کو مطالعہ کرلو جنکو جہالت اور زود اعتقادی نے خدا بنا دیا ہے۔ کیا ان میں عام انسانوں کی سی کمزوریاں نہ تھیں؟ جب حالت یہ ہے تو پھر آپ لوگوں کے متعلق کیا کہوں جو خدا کی برابری کی دھن لگائے بیٹھے ہو۔ ایسا عقیدہ محض الحاد ہے۔ جب ہم کہتے ہیں۔ کہ "میں اور میرا خداوند ایک ہیں"۔ تو اس سے مراد یہ ہے۔ کہ ہمنے اپنی ہستی کو فنا کر دیا ہے۔ ہمنے اپنی مرضی کو اللہ تعالےٰ کی مرضی کے ماتحت

کر دیا ہے۔ ہم اس کے مکمّل اطاعت کیش بندے ہو چکے ہیں۔ اور اس فرمانبردارانہ حیثیّت میں ہم اللہ تعالےٰ کے ساتھ گویا ایک ہو جاتے ہیں۔ اگر یسوع نے "میں اور میرا خدا ایک ہیں" کہا تو اسی نے یہ بھی تو کہا ہے۔ کہ میرا خدا مجھ سے بڑا ہے"۔ "تم مجھے چنگا کیوں کہتے ہو۔ چنگا ایک ہی ہے۔ اور وہ خدا ہے" +

یہ ہے مقصد مذہب کا جو مسیح اور دیگر انبیا نے ہم پر واضح کیا ہے۔ مگر بدقسمتی سے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے فنا فی اللہ کے مقام پر پہنچ کر بڑے بڑے درجات حاصل کیے۔ جاہل اور زود اعتقاد لوگوں کے ذریعہ خدا بنا دیئے گئے۔ جہاں مسیح کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ "میں اور خداوند ایک ہی ہیں"۔ تو کرشن نے بھی اپنی لہر میں آ کر کہہ دیا۔ کہ "میں بھگوان ہوں" اور اسی طرح خادمانِ محمد میں سے ایک

شخص پکار اُٹھا "انا الحق انا الحق" یعنے "میں خدا ہوں - میں خدا ہوں - اور اس سے ہزاروں ایسی کرامتیں بھی ظاہر ہُوئیں۔ جو جاہلوں کی نظروں میں خدا بننے کے لئے کافی تھیں - مگر باوجود اس کے ان اکابر جہاں نے کبھی الوہیّت کا دعویٰ نہیں کیا - اور نہ ہی کبھی اس امر کے مُدّعی ہوئے کہ جس مقام پر ہم پہنچ چکے ہیں اس مقام تک کوئی دوسرا نہیں پہنچ سکتا - ان کی یہ آوازیں انسانی آوازیں تھیں - ان میں سے ہر ایک انسان کا بچہ تھا - اور صرف رُوحانیت کے اس مقام کو ظاہر کرتا تھا۔ جس تک پہنچا ہے - انسانی بچہ کے لئے ممکن ہے - محمّد الرسُول اللہ کا تمام دُنیا مرہُون منّت ہے - کہ انہوں نے اس نازک مسئلہ کو نہایت صاف کر کے دنیا میں ذیل کا اعلان کر دیا :-

"خدا کہتا ہے - کہ جب اِنسان میری مکمّل

تابعداری اختیار کر لیتا ہے۔ تو وہ میرا محبوب بن جاتا ہے۔ اور جب میں اس سے پیار کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ کان بنجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اسکی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے۔ اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ چیزوں کو ٹٹولتا ہے۔ اس کی ٹانگیں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے +

یہ ہے وہ پیغام جو محمدؐ اسلام کے رنگ میں دنیا میں لائے۔ اور اس نہ صرف مذہب کی حقیقی علت غائی ہی پوری ہوتی ہے بلکہ دنیا کے جنگجو اور سفاک دیوتا سے جنگ سے دنیا کی مخلصی اور نجات بھی صرف اسی کے اصولوں پر عملدرآمد کرنے سے ہو سکتی ہے اور اسی کے ذریعے سے دنیا میں امن چاودانی قائم ہو سکتا ہے۔ شریعت پر عمل پیرا ہو کر ہی جس کا خود مسیح کو اعتراف ہے۔ مسیح نے یہ پکار کی کہ میں اور خداوند ایک ہی ہیں۔

کرم کنڈ (جس کے معنی احکام آلہی کی فرمانبرداری ہیں) کے ذریعے کرشن نے یہ صدا بلند کی۔ کہ میں بھگوان ہوں " محمد صلے اللہ علیہ وسلم اسی سیڑھی کے خطرناک زینوں کو طے کرکے درجہ آخری تک پہنچ کر بھی یہی فرماتے رہے۔ انا بشر مثلکم میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ تم سب جسمانیات میں یکساں ہو۔ یہ جسمانی مساوات رُوحانی مساوات کی دلیل ہے۔ یسوع نے ہمیشہ خود کو انسان کی اولاد بتایا۔ پس جو کچھ اس نے حاصل کیا۔ ہر انسان کیلئے اس کا حاصل کرنا ممکن ہے ہم انسانوں کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالی کی صورت پر بنائے گئے ہیں۔ - - -

مگر صورت کیسی؟ صورت جو - - - - - - رُوح اور زندگی سے خالی ہے " خدا کے ساتھ یسوع کی طرح قدم بقدم چلو " تو تمہاری یہ صُورت رُوح خداوندی سے لبریز ہو جائیگی۔ اور تم نہ صرف اندھوں کی آنکھیں اور بہروں کے کان درست کرو گے۔ اور مردوں کو زندہ کرو گے۔ بلکہ تم سلامتی اور امن کی اولاد بن جاؤ گے۔ اور اللہ کی بادشاہت

تم پر احاطہ کریگی ۔مگر کیا آپ نے کبھی یہ بات بھی معلوم کرنے کی سعی کی ہے ۔ کہ خدا کے اعضا اور جوارح کیا ہیں ؟ اسکی آنکھیں ۔کان ۔ اور ہاتھ کس طرح کے ہیں ؟ اگر پیغمبر خدا یعنی رسول عربیؐ نے تمہیں سکھایا ہے ۔ کہ "تخلقوا باخلاق اللہ" تو میں اسی رسول کے خادم ہونے کی حیثیت سے صفات الٰہی تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں ۔ قرآن کریم کو کھولو تو شروع ہی میں اللہ تعالےٰ کی صفات اربعہ کا یوں ذکر ہے ۔ الحمد للہ رب العٰلمین الرّحمٰن الرحیم ملك یوم الدین ۔"

رب العٰلمین ۔ تمام جہانوں تمام قوموں تمام وقتوں ۔ تمام زمانوں اور تمام جگہوں میں پالنے والا ۔ تربیت کرنیوالا ۔ بتدریج ترقی دینے والا ۔ جس کی بخششیں اور فیاضیاں قومی امتیازات کو نظر انداز کر دیتی ہیں ۔ اور ہر ایک پر یکساں بارش کی طرح نازل ہوتی ہیں ۔ جو ضروریات انسانی کے پیدا ہونے سے بھی پہلے شان رحمانی کی جلوہ گری دکھا کر

ان ضروریات سے ان کے دقیعہ کے تمام سامان خوارج میں موجود کر دیتا ہے۔ کیا کون و مکان کا ایک ایک ذرّہ اور کائنات عالم کا ایک ایک پرزہ مذکورہ بالا صفات الٰہی کی زندہ دلائل نہیں ہیں۔ خدا کی زمین اپنے تمام دفینوں سمیت سب انسانوں کی یکساں ملک ہے۔ یہ انسان کی اپنی سرکشیاں اور لن ترانیاں ہیں جو بعض ابنائے جنس کو اس کے فوائد سے محروم کر دیتی ہیں۔ یہی انسانی خودغرضی اور فرعونیت تمام انسانی کلفتوں کی مورثِ اعلےٰ ہے۔ اگر انسان خداوند تعالےٰ کے نقش قدم پر چلنا سیکھ لے جو نقش کہ زمین کے ایک ایک انچ پر موجود ہیں۔ تو اسکی تمام جنگیں ختم ہو جائیں خونریزیاں بند ہو جائیں۔ اور ہر شکل وصورت کے جرائم کا استئیصال ہو جائے پس اے انسانو! تم دوسروں کے لئے رحمان کی مخلوق بن جاؤ تمہاری خدمت دوسروں کیلئے مفت وقف ہو جائیں اور اس میں نہ قومیّت کا خیال ہو نہ رنگ ونسل کا کیونکہ تمہارا خالق اِسی طرح اپنی فیاضیاں کر رہا ہے

اگر ایسا ہو جائے تو پھر دُنیا میں ست جُگ آجائے - اور امن و سلامتی کی بادشاہت قائم ہو جائے - اللہ تعالیٰ کی تیسری صفت رحیم ہے - یعنی جو انسانی اعمال کی جزا ہزار گنا دیتا ہے - زمین میں ایک بیج ڈال دیجئے - تم نے زمین میں اچھی طرح کاشت کر دی - اور پانی سے اسے سیراب کر دیا - اس سے بڑھ کر تم کچھ نہیں کر سکتے - چند ماہ انتظار کیجئے تو برکات الٰہی ایک دانہ کی بجائے سینکڑوں دانوں کی شکل میں نمودار ہونگی - کاش کہ انسانی خست اور کمینگی انسان کو اللہ تعالےٰ کے اس خلق کی تقلید کرنے دیتی - تاکہ کیپٹل یعنی دولت اور لیبر یعنی مزدوری کی تمام موجودہ بے لطفیاں ختم ہو جاتیں - کیا دولتمند لوگ مزدوروں کا خون نہیں چوس رہے - اور کیا ان کی خون آلود چھاتیوں سے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے الگ . . . . نہیں کرنا چاہتے ؟ دولتمند لوگوں کو اپنے اعمال کے ذریعے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے تھا - زبان کا شکریہ اللہ کی نظروں

میں کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ اور ان کو شکریہ مزدوروں کو ان کے استحقاق سے بھی زیادہ مزدوری دینے کی شکل میں ادا کرنا چاہیئے تھا اور اگر وہ ایسا کرتے تو بالآخر وہ کبھی زیاں کاروں میں نہ ہوتے ۞

مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ بدمعاش اور جرائم پیشہ لوگوں کا انسداد کیسے ہو۔ بدی انسان کے ساتھ روز ازل سے لگی ہوئی ہے۔ تو پھر بالطبع شریر افراد کے ساتھ کیسا برتاؤ روا رکھنا چاہیئے۔ اگر ایسے اشخاص شریفانہ اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے سے اجتناب کرتے ہیں تو کیا ہمیں مروّت وہمدردی اور اخوت جیسے زرّیں اصولوں پر عمل کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر لینی چاہیئے کیا ہمیں ایسے لوگوں کو بدفعلیوں اور بدکرداریوں کے ارتکاب کا اختیار کلی دیدینا چاہیئے؟ میں کہتا ہوں۔ ہرگز نہیں۔ میں پھر کہتا ہوں اپنے خدا کے ساتھ قدم بقدم چلو جو روز جزا کا مالک ہے"۔ قرآن کریم نے لفظ "مالک" سے

انتخاب کرنے سے ہمیں مجرمین اور خطا کاروں کے ساتھ اپنے برتاؤ اور سلوک کرنے کے متعلق دلچسپ اور عمیق غور و خوض کرنے کا موقع دیا ہے۔ آیت قرآنی میں اللہ کو "منصف" نہیں کہا گیا۔ جو کہ اپنے قانون کی سخت دفعات میں ایسا جکڑا ہوا ہو کہ وہ کسی گنہگار کو سزا دیئے بغیر اپنی آغوش رحمت میں نہیں لے سکتا۔ جسے تقاضائے انصاف نے اس درجہ مجبور کر رکھا ہو کہ وہ انسانی خون کا تشنہ ہو۔ اور جسے اپنے اظہار رحم و عفو کیلئے اس امر کی احتیاج پڑے۔ کہ وہ اپنے مجرموں کے بارہ میں اپنے پیاروں کا کفارہ لے محبانِ من۔ ایسا نہیں ہے۔ یہ نہ تو انصاف ہے اور نہ رحم۔ اس قسم کا انصاف کم از کم اس آدمی کے لئے انصاف نہ ہوگا جو دوسروں کی خاطر معصوم و بےگناہ ہو کر کفارہ ہو جاتا ہے نیز وہ رحم رحم ہی نہیں جسمیں انتقام کا شائبہ ہو۔ بلکہ ایک کاروباری معاملہ ہے جو سزاوار الٰہی نہیں۔ ذرا خدا تعالےٰ کی ان لاتعداد عنایات

کو چشم بینا سے دیکھو جو تمہیں ہر طرف سے احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ یہ نہ ہی تمہارے اکتساب کا نتیجہ ہیں۔ اور نہ ان پر تم کسی طرح کا حق رکھتے ہو۔ بلکہ یہ محض اللہ تعالے کے فضل و کرم سے تمہیں عنایت ہوئیں کیا اس نے اپنے رحم کا اظہار بغیر کسی معاوضہ کے نہیں کیا۔ کہ اسے میرے ذنوب کے عفو کرنے میں کسی معاوضہ کی ضرورت ہو؟ لفظ مالک کے مفہوم پر تدبّر کرو۔ وہ خدائے قدّوس میرا مالک ہے۔ اور میں باوجود اسکے کہ ایک مجرم ہوں اُسی کی ملکیّت ہوں۔ خدارا بتلاؤ وہ کونسا مالک ہے جو اپنے مال و اسباب کی حفاظت پوری سرگرمی سے نہ کرتا ہو۔ یہ ممکن ہے۔ کہ وہ اپنی کسی چیز کے بعض پہلوؤں کو نظر تحسین سے نہ دیکھے۔ وہ اُسے اپنی اصلی حالت میں لانے کی کوشش کریگا۔ مگر اس طریق سے کہ اُسے کسی قسم کا ضرر نہ پہنچے۔ اور یہی ہے وہ حقیقت جس کی مصدّق خود نیچر ہے۔ ایک طرف نیچر کسی

نظام کو درہم برہم کرنے میں مشغول ہوتی ہے
تو دوسری طرف اس کی نئی تعمیر شروع کر دیتی
ہے۔ دنیا میں تخریب محض کالعدم ہے
کسی نظام کا انہدام اس کے بیرونی مرقع
کی شکست ہے۔ اور یہ شکست حقیقت میں
ساخت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ خزاں باغ
دنیا میں تباہی کا پیغام نہیں لاتی۔ بلکہ
اس کی آمد سے غرض یہ ہوتی ہے کہ درختوں
کے تنوں کو مواد فاسدہ سے خالی کر کے
حیات نو کے لئے طیّار کر جائے۔ یہ بیشک
خداوند تعالیٰ کی طرف سے سزا کی مختلف
شکلیں ہیں۔ مگر اس طور پر کہ ایک ایسی
ہستی کے بالکل شایانِ شان ہو جسے
اپنی مخلوق سے وہی تعلق ہو جو مالک کو
اپنی اشیائے مملوکہ سے ہوتا ہے۔ قانون
کی خلاف ورزی کرنے والوں کو بے شک
سزا دو۔ کیونکہ وہ دنیا میں گناہ اور بدی ... پھیلاتے ہیں
سزا سے غرض ان کی اصلاح ہونی چاہئے ؛
آپ کہیں گے کہ میں ناممکنات سے الجھ رہا

ہوں۔ اور کہ میں آپ کی ضیافت طبع کیلئے
خیالی بلند پروازیوں کا دستر خوان بچھا
رہا ہوں۔ بھائیو ایسا نہیں ہے۔ تم ان
اخلاق خداوندی کا اظہار اپنی روزمرہ
زندگی میں کرنے کے بالکل قابل ہو۔ یہ
اخلاق اس کتاب کے بتلائے ہوئے ہیں
جس کا یہ بھی ایک فرمودہ ہے لا یکلف اللہ
نفساً الا وسعہا کچھ مضائقہ نہیں انسانی
خست کسی حد تک بڑھی ہوئی ہو۔ اور ہم
اپنے دریائے حرص و ہوا میں کس قدر غرق
ہوں مگر ہم میں سے ہر ایک ان اخلاق
کا محدود معنوں میں اظہار کرنے کی اہلیت
رکھتا ہے۔ ہم سب اللہ تعالےٰ کی صفاتِ
اربعہ یعنی رحمان۔ رحیم۔ ربّ اور مالک کی
کسی نہ کسی رنگ میں تقلید کرتے ہیں۔ ہم
میں سے بہت سے بال بچوں والے ہیں۔ کیا
ہم ان کی ضروریات کو پورا کرنے اور انکی تربیت
میں ہر آن مشغول نہیں رہتے۔ ہم ضرور رہتے
ہیں۔ اور مجازی رنگ میں ہم اپنے بچوں کے

ہوتے ہیں۔ کیا بسا اوقات ایسا نہیں ہوتا
کہ ان کی ضروریات کے پیدا ہونے سے
کئی سال پہلے ہم اُن کے دفعیّہ کا انتظام
کر لیتے ہیں۔ کیا ہم تجارت میں بہت سا
روپیہ نہیں لگا دیتے۔ یا بنکوں میں جمع
نہیں کرا دیتے۔ تاکہ ہمارے بچے فلاں
عُمر تک پہنچ کر اس سے استفادہ حاصل کریں
اور یہ سب کچھ ہم کسی مُعاوضہ کے خیال سے
نہیں کرتے۔ بلکہ ہم سے یہ سب کچھ خوُد بخود
ہو جاتا ہے۔ کیا یہ رحمان کے نقش قدم پر
چلنا نہیں ہے۔ یہ تمہارے بچّے اور بعض
اور بعض اوقات تمہارے دوست بھی جب
کوئی ایسا فعل کرتے ہیں۔ جس سے تمہیں
نشاط قلب حاصل ہو تو تم انہیں اس کا
معاوضہ کئی گُنا دیتے ہو۔ اور یہ تمہارا رحیم
کے قدم بقدم چلنا ہوتا ہے تو پھر اپنے بچّوں
کی ان لکھو کہا شرارتوں کو کیا کرتے ہو۔ جو
اُن سے آئے دن معرض وجود میں آتی رہتی
ہیں۔ کیا ان کو ان کی شرارتوں کی پاداش

میں مار ڈالا کرتے ہو۔ ان کو سزا دیتے وقت کیا تمہارا دل جذبات انتقام سے لبریز ہوتا ہے نہیں بلکہ جب تم مضبوط ڈنڈا ہاتھ میں لیتے ہو تو اس کے استعمال کے وقت بہت نرم ہو جاتے ہو۔ کیونکہ ان کی ذات میں تمہاری دلبستگیاں ایسی ہیں جو ایک مالک کی اپنی اشیائے مملوکہ سے ہوتی ہیں۔ تم ان کی تباہی کے خواہاں نہیں ہوتے۔ بلکہ اصلاح کے طلبگار رہوتے ہو۔ پس محدود معنوں میں تم رب۔ رحمان اور مالک کے نقش قدم پر چلتے ہو۔ ان اخلاق کو ذرا اور وسیع کر لو۔ اور ان لوگوں پہ ان کی مشق کرنے لگ جاؤ۔ جو تم سے ذرا دوری کا تعلق رکھتے ہیں۔ تو یہ مطالبہ کوئی غیر ممکن نہیں رہ جاتا۔

جذبات حب الوطنی سے متاثر ہو کر تم آئے دن ایسا کرتے رہتے ہو۔ تمہارے پسینہ کی کمائی اور تمہاری محنتوں کے پھل ان لوگوں کے لئے وقف ہو جاتے ہیں۔ جن کی امداد و اعانت تمہاری حب الوطنی اپنا فرض اولین خیال

کرتی ہے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ یہ
جنگ بھی اِنسانوں کے لئے ایک معنوں
میں برکت ثابت ہوئی ہے۔ اس نے ان
اخلاق کو بالفعل کردیا ہے۔ اپنی عدالتوں
ہی کو دیکھ لو۔ کہ وہ ان لوگوں کے جرموں
کے متعلق کس قدر نرم ہو گئیں ہیں جو مُلک
کی خاطر قربانِ گاہ جنگ پر اپنی جانیں بھینٹ
چڑھا رہے ہیں۔ اس کی وجہ فوجوں کی بقا
کی تمنا حب الوطنی کا تقاضا ہے۔ کیا
تمہیں آجکل اپنی سزادہیوں میں کسی
مالک یوم الدین کے ہاتھ کام کرتے نظر نہیں آرہے
اب صرف اس قدر کرنا باقی رہگیا ہے۔ کہ ان
اخلاق کو ان لوگوں تک وسیع کر لو جو تمہارے
دائرہ حب الوطنی سے باہر ہیں۔ اور جن کا
تمہاری قوم و ملت سے کوئی تعلق نہیں۔ اور
پھر میں کہتا ہوں کہ یہ بھی ناممکنات سے نہیں
جنگ نے اِن صفات کے اظہار کے بھی پیہم
مواقع دیئے ہیں۔ کیا اتحادیوں کے اغراض
ومقاصد کی خاطر اس وقت تیس سے زیادہ قومیں

نہیں ملگئیں۔ کیا تم ان سے وہی سلوک نہیں کرتے جو تم اپنے ہموطنوں سے روا رکھتے ہو۔ کیا تم بلجیم کی خاطر نہیں لڑے۔ کیا تم نے اہل سربیا کے ساتھ اظہار ہمدردی نہیں کیا۔ اور کیا تم نے فرانس کی خاطر اپنا خون نہیں بہایا۔ مختلف اقوام کا حقیقی مقصد چاہے کچھ بھی ہو لیکن وقتی ضروریات کے ماتحت دُنیا کے ایک حصّہ سے دوسرے حصّہ کے خلاف اتحاد قائم کر کے اِس امر کا کافی ثبوت دیدیا ہے۔ کہ انسان دیگر ممالک کے باشندوں سے جو قومیّت اور رنگ میں اس سے بالکل جُدا ہیں ہمدردی اور اخوت پیدا کر سکتا ہے۔ اور ربّ۔ رحمٰن اور رحیم جیسی صفات خداوندی پر ایک حد تک عمل پیرا ہونے کی قابلیّت رکھتا ہے۔ ہاں ایک شخص ان محاسن کو وقتی ضروریات کا نتیجہ بتا سکتا ہے۔ لیکن ہمیں تو ان اخلاق پر ہمیشہ عمل کرنا چاہئے۔ تاکہ یہ بنی نوع انسان کے لئے ایک مستقل برکت کا موجب ہوں۔ ابھی پچھلے دنوں وزیراعظم نے موجودہ سوسائٹی کے متعلق کہا تھا کہ یہ حضرت

مسیح کے نام پر ایک دھبہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ
موجودہ سوسائٹی تمام انبیا اور خداوند تعالےٰ
پر ایک دھبہ ہے۔ اگر آئندہ وزیر اعظم یہ
کہیں کہ تمام ممالک ایک انسان کے وطن ہیں
اور ہر ایک انسان کی آمدنی دوسرے دن کی
ضروریات کے لیئے ہے تو میں کہونگا۔ کہ
اس وقت زمین پر خداوند تعالےٰ کی بادشاہت
قائم ہو جائیگی۔ جیسی نبی کریم صلعم کے زمانہ
میں خداوند تعالےٰ کی حکومت تھی۔ اگر ایسا
زمانہ آجائے تو ملائکہ ہم پر رحمت نازل
کرینگے۔ اور یقیناً یہ ایک زرّیں زمانہ ہوگا
جس کی ہمیں آرزو ہے۔ اس وقت ہم اپنا
ورثہ پالیں گے یعنی اِنسان کی ذات میں
خُدا کا ظہور ہوگا۔ اور ہماری اس حد تک
رفعت ہو جائیگی جس حد سے ہم تجاوز نہیں کرسکتے
جو لوگ اس معاملہ میں اور خیالات رکھتے ہیں وہ
گمراہی میں ہیں۔ جنہیں وہ خدا سمجھے بیٹھے ہیں
وہ دراصل ترقی یافتہ اِنسان ہی ہیں۔ اُلوہیت
کے مقام کو حاصل کرتا نو در کنار یہ استعاروں

اور تشبیہوں سے بھی بلند ہے۔ یہ فضیلت
جس کا ذکر میں نے کیا ہے نا اہلوں کو نصیب
نہیں۔ یہ رُتبہ تو صرف انہیں کو ملتا ہے۔ جو
خداوند تعالیٰ کے ساتھ قدم بقدم چل کر محبت
اور احسان کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ اُس
خداوند تعالیٰ کے سچے عابد بننے کی کوشش
کرو۔ جو رب۔ رحمٰن۔ رحیم اور مالک ہے۔
کونٹ ٹالسٹائی کے مطابق خدا کی پرستش
یہی ہے۔ کہ ہماری وہی مرضی ہو جو خدا کی مرضی
ہے۔ خداوند تعالےٰ تو عالمگیر فلاح و بہبود کو
چاہتا ہے۔ عالمگیر فلاح کے لئے جدوجہد
کرو۔ الوہیت کا دروازہ تم پر کھل جائیگا۔
باخدا زندگی کے لئے یہ پہلی شرط ہے۔
اس کے بغیر آپ کے مراقبے اور عبادتیں
محض فرضی باتیں ہیں۔ خداوند تعالےٰ ہم
سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اور
دنیا کو اس مصیبت سے جو انسان کی خودغرضی
اور نفس پرستی کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے
نجات دے۔ میں تمام مسلمانوں سے درخواست

کرتا ہوں - کہ وہ میرے ہمراہ خداوند تعالےٰ
کی بزرگی بیان کریں - اور نبی کریم صلعم کے
ان الفاظ کو دوہرائیں - اللہ اکبر
اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر -
اللہ اکبر وللہ الحمد +

کتبہ مرزا جمال الدین خوشنویس سانده کلاں لاہور